

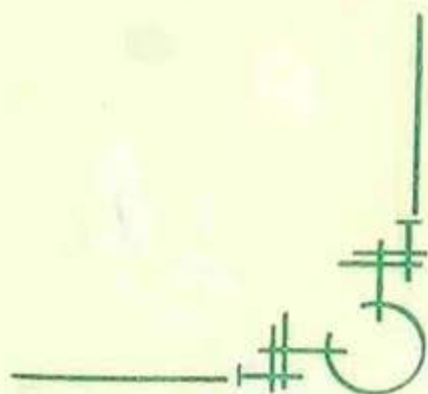
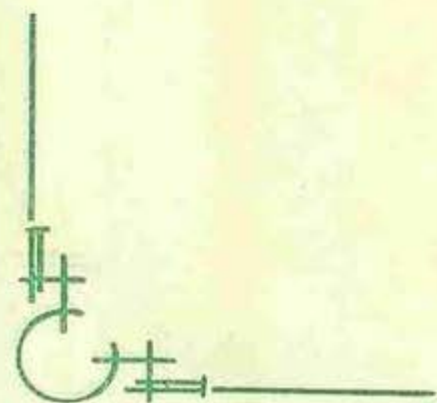
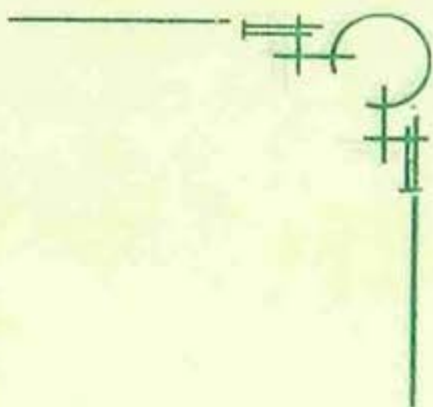
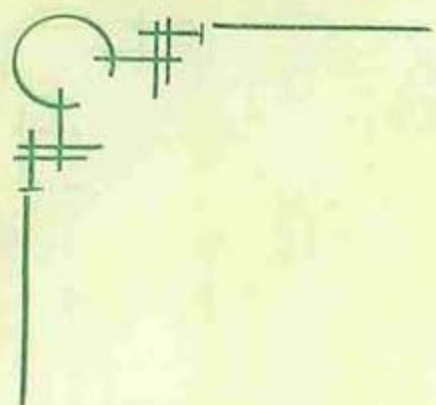
انتخاب  
پیام مشرق

منظوم اردو ترجمہ

مترجمہ

فیض احمد فیض





انتخاب  
پیام مشرق

منظوم اردو ترجمہ

مترجمہ

فیض احمد فیض



نیشنل کمیٹی برائے اردو زبان کے تقریباً ۱۰۰ سالہ علامہ محمد اقبالؒ

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲-گلبرگ ۳ ○ لاہور

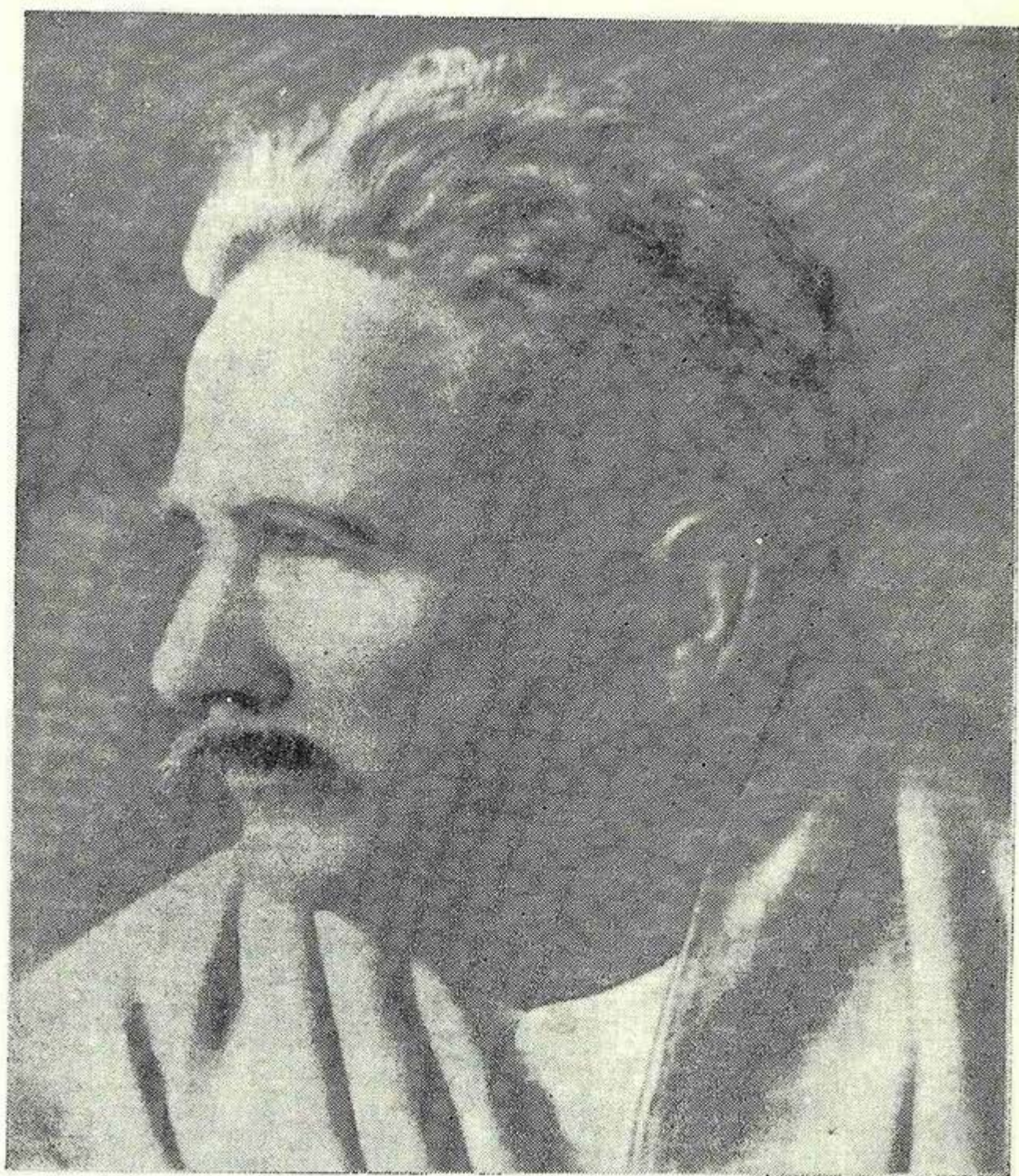
## جمالہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : ڈاکٹر محمد معزالدین  
ڈائریکٹر : اقبال اکادمی پاکستان  
۹۰ بی - ۲ گلبرگ نمبر ۳ لاہور

مطبع : رہن پرنٹنگ پریس لمیٹڈ  
باہتمام مرزا محمد صادق  
۳ - لیک روڈ لاہور

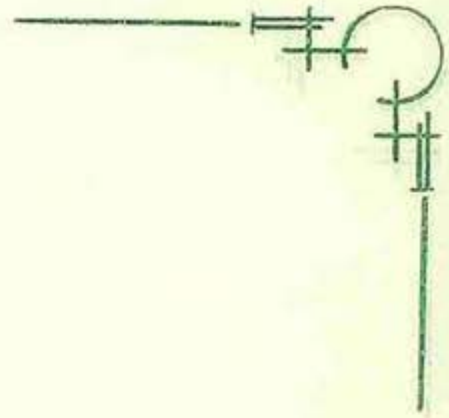
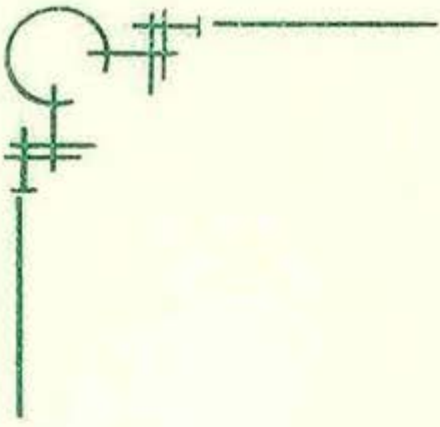
طبع اول : ۱۹۷۷

تعداد : ۱۱۰۰



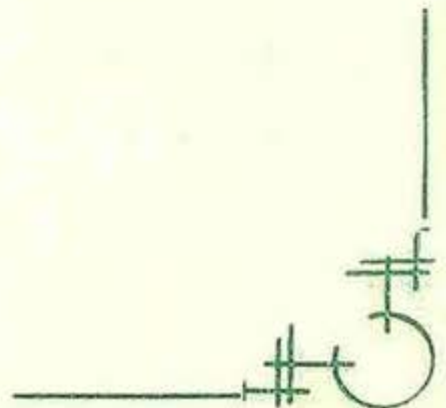
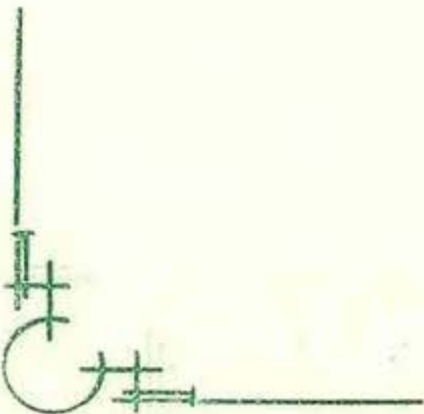
علامہ محمد اقبالؒ

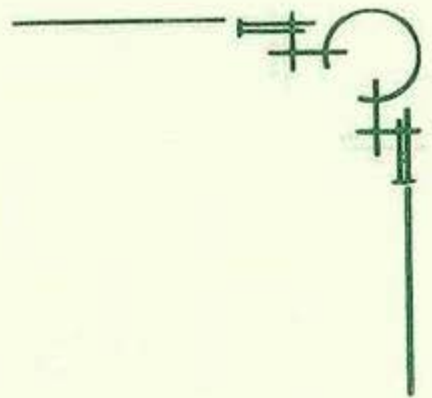
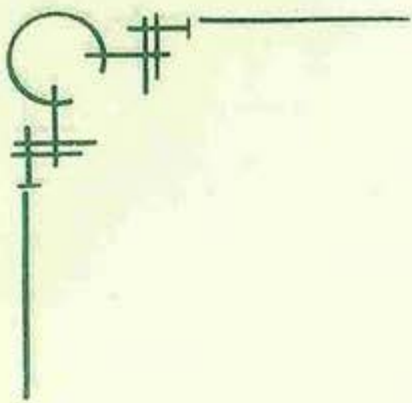
(۱۸۷۷ — ۱۹۳۸)



## فہرست

صفحہ	عنوان
۵۷-۲	۱- لالہ طور
۱۳۹-۶۰	۲- افکار
۲۱۱-۱۳۲	۳- شے باقی (غزلیات)





Handwritten text, possibly a title or label, centered on the page.

Handwritten text on the left side of the page.

Handwritten text on the right side of the page.

Handwritten text on the left side of the page.

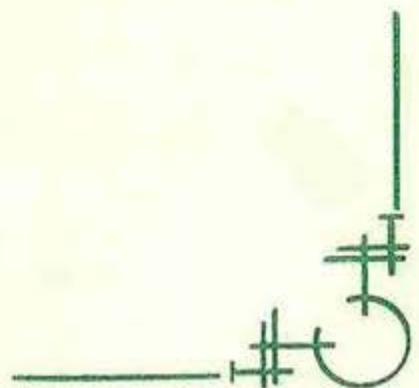
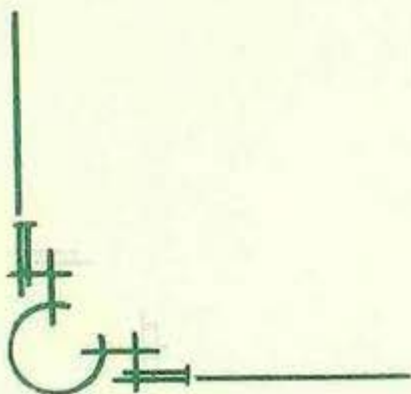
Handwritten text on the right side of the page.

Handwritten text on the left side of the page.

Handwritten text on the right side of the page.

Handwritten text on the left side of the page.

Handwritten text on the right side of the page.



## پیش لفظ

آج سے چند ماہ پیشتر جب مجھ سے پیام مشرق کا منظوم ترجمہ کرنے کی فرمائش کی گئی تھی تو کافی پس و پیش کے بعد میں نے اس کی تعمیل اس لیے قبول کر لی کہ اول تو اس بہانے سے کافی زمانے کے بعد پیام مشرق جیسے مجموعہٴ حسن و خوبی کے بالامتیعاب مطالعہ کی سعادت حاصل ہو سکے گی اور دوم ترجمہ اچھا برا جیسا بھی ہو اُن پرستاران اقبال کی جو فارسی زبان سے نا آشنا ہیں، اس کتاب کے افکار و معانی تک کچھ نہ



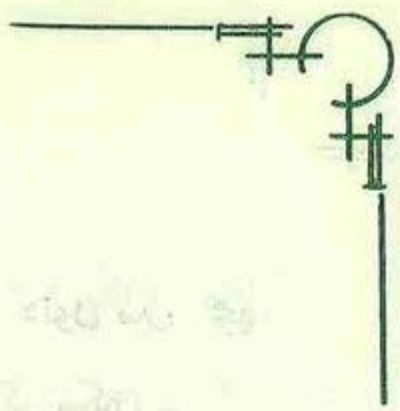
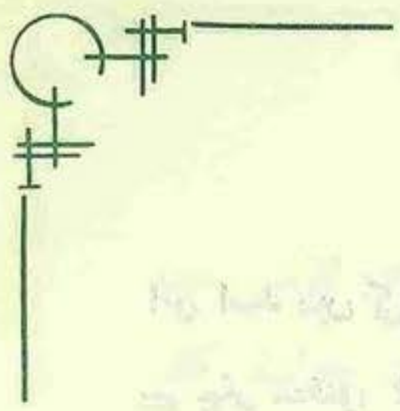
کچھ رسائی ضرور ہو سکتے گی۔ اُردو اور فارسی میں  
 قربت کے باوجود اظہار و آہنگ کے پیرائے کافی  
 مختلف ہیں۔ فارسی زبان کو تراکیب اور مشتقات کی  
 وجہ سے اجال و اختصار کی جو سہولتیں حاصل ہیں وہ  
 اُردو میں موجود نہیں اس لیے اگر ترجمہ میں مفہوم  
 اور معانی کے علاوہ اوزان و قوافی اور اصوات و آہنگ  
 میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی جائے تو کافی دقتیں  
 پیش آتی ہیں۔ اس لیے میں نے اس انتخاب میں انہیں  
 منظومات پر اکتفاء کی ہے جن میں یہ التزام کسی  
 حد تک ممکن تھا بلکہ ان میں بھی جو اشعار میری  
 گرفت میں نہیں آسکتے میں نے حذف کر دیے ہیں۔  
 اس کے باوجود مجھے بہت سے تراجم سے تشفی نہیں ہے  
 اس لیے ان صفحات میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ علامہ  
 کی دین ہے اور جو نقائص وہ میرا عجزِ کلام۔ اس  
 تالیف کو میں نے اشاعت کے لیے پیش کرنے کی جسارت

اس امید میں کی ہے کہ شاید آنے والے دنوں میں مجھ  
سے بہتر مسخّور اس میں اصلاح و اضافہ کر سکیں۔

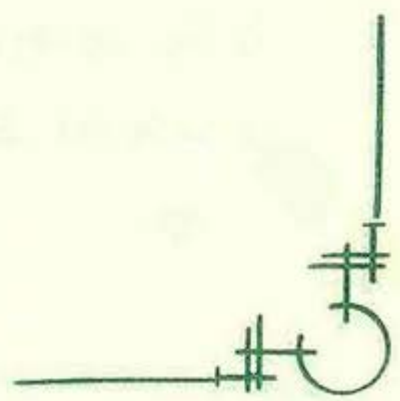
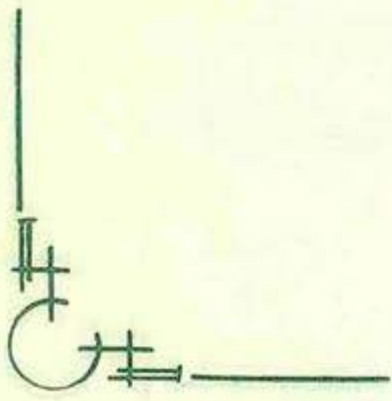
گمان مبر کہ بہایاں رسید کارِ مغان  
بزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

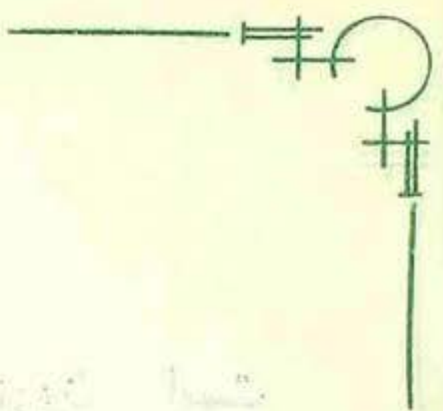
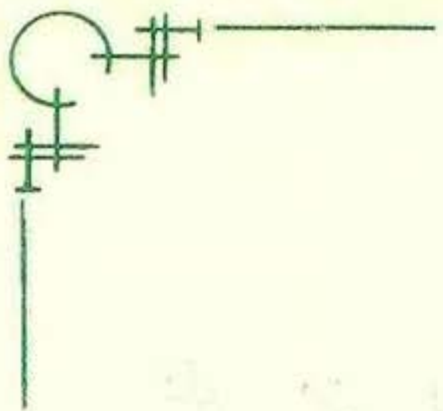
مسودے کی تیاری میں اُستادِ محترم صوفی تبسم کی  
ہدایت و راہنمائی اور اپنے رفقاء شیر محمد حمید اور  
اعجاز حسین بٹالوی کی امداد و اعانت کے لیے  
احسان مند ہوں۔

فیض احمد فیض



The first part of the text is very faint and illegible. It appears to be a list or a series of entries, possibly related to a historical or scientific record. The text is written in a cursive or semi-cursive script, which is difficult to decipher due to its lightness and the age of the document.

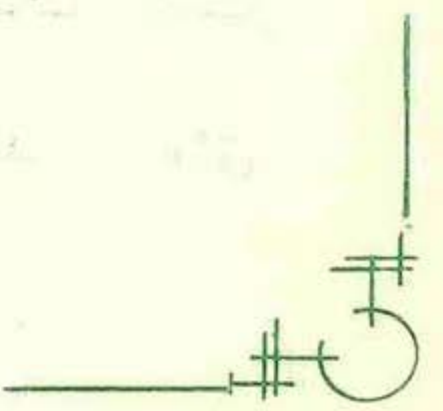
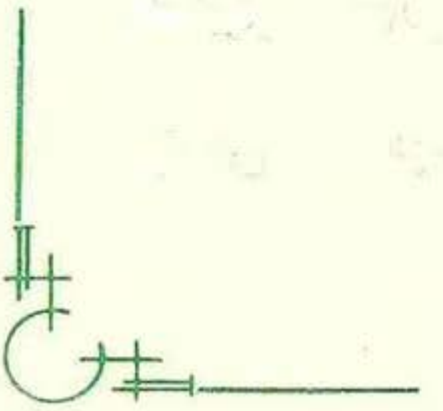




تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا

# لاله طور

تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا  
تو کجا می روم که در آنجا



۲

دلِ من روشن از سوزِ درون است  
جهانِ بین چشمِ من از اشکِ خون است  
ز رمزِ زندگی بیگانه تر باد  
کسے کو عشق را گوید جنون است

۳

بباغانِ بادِ فروردین دهد عشق  
براغانِ غنچه چون پرویں دهد عشق  
شعاعِ مہرِ او قلمِ شکاف است  
بماہی دیدہ رہ بین دهد عشق

۲

۲

منور دل مرا سوزِ دروں سے  
جہاں ہیں آنکھ میری اشکِ خوں سے  
وہ رمزِ زندگی سے بے خبر ہے  
جو سمجھے عشق کو یکساں جنوں سے

۳

چمن میں عشق سے بادِ بہاراں  
کرے صحرا کو غنچوں سے چراغاں  
دکھائے راہ ماہی کو تہِ آب  
شعاعوں سے کرے لہریں فروزاں

۳

۵

به برگِ لاله رنگ آمیزی عشق

بجانِ ما بلا انگیزی عشق

اگر این خاکدان را واشگافی

درونش بنگری خونریزی عشق

۶

درین گلشن پریشان مثلِ بوم

نمی دانم چه می خواهی ، چه جویم

برآید آرزو یا برنیاید

شهادتِ سوز و سازِ آرزویم

۵

گلِ لالہ میں رنگ آمیزیءِ عشق  
مرے دل میں بلا انگیزیءِ عشق  
اگر اس خاکداں کا سینہ چہرو  
وہاں بھی پاؤ گے خوں ریزیءِ عشق

۷

میں گلشن میں پریشاں مثلِ بو ہوں  
نہ جانے کیوں؟ پہ محوِ جستجو ہوں  
بر آئے آرزو یا بر نہ آئے  
شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہوں

۵



سحر می گفت ببلبل باغبان را  
 درین گل جز نهال غم نگیرد  
 به پیری می رسد خار بیابان  
 ولے گل چون جوان گردد بمیرد

نوائے عشق را ساز است آدم  
 کشاید راز و خود راز است آدم  
 جهان او آفرید، این خوب تر ساخت  
 مگر با ایزد انباز است آدم

سکر کہتی تھی ببل باغباں سے  
یہاں بس غم کا بوٹا بارور ہے  
بہت جیتا ہے یاں خارِ بیاباں  
حیاتِ گل نہایت مختصر ہے

نوائے عشق کا ہے ساز آدم  
وہ کھولے راز ، ہے خود راز آدم  
جہاں کو وہ بنائے ، یہ سجائے  
خدا کا تو نہیں ہمباز آدم؟

دلا نارائی پروانہ تاکے

نگیری شیوہ مردانہ تاکے

یکے خود را بسوزِ خویشتن سوز

طوافِ آتشِ بیگانہ تاکے

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت

فروغِ زندگی تابِ شرر بود

ولیکن گر نرنجی با تو گویم

صنم از آدمی پائندہ تر بود

۱۳

دلا محرومیؑ پروانہ کب تک  
یونہی بے شیوہ مردانہ کب تک  
اب اپنی آگ میں بھی جل کے دیکھو  
طوافِ آتشِ بیگانہ کب تک

۱۶

برہمن نے کہا محشر میں رب سے  
یہ جینا تو فقط رقصِ شرر تھا  
میں مسجِ کہہ دوں، برا گر تو نہ مانے  
ترے بندے سے بُت پائندہ تر تھا

۱۷

گذشتی تیز گام ای اختر صبح  
مگر از خوابِ ما بیزار رفتی  
من از نا آگهی گم کرده راهم  
تو بیدار آمدی ، بیدار رفتی

۱۸

تھی از ما و ہو میخانہ بودے  
گلِ ما از شرر بیگانہ بودے  
نبودے عشق و این ہنگامہ عشق  
اگر دل چوں خرد فرزانه بودے

۱۰

۱۷

تو گزرا تیز گام اے اخترِ صبح  
سرہانے سے مرے بیزار گزرا  
میں رہ میں کھو گیا غفلت سے اپنی  
تو بیدار آیا اور بیدار گزرا

۱۸

تہی از ہا و ہو میخانہ ہوتا  
تپش سے تن مرا بیگانہ ہوتا  
نہ ہوتا عشق اور ہنگامہ عشق  
جو دل مثلِ خرد فرزانه ہوتا

۱۱

شنیدم در علم پروانہ می گفت  
 دمے از زندگی تاب و تبم بخش  
 پریشان کن سحر خاکسترم را  
 ولیکن سوز و ساز یک شبنم بخش

سحر در شاخسار بوستانے  
 چه خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے  
 برآور هر چه اندر سینه داری  
 سرودے ، نالہ ، آپے ، فغانے

۲۱

یہ پروانہ عدم میں کہہ رہا تھا  
مجھے تابندگی کا راز دے دے  
بکھر جائے سحر کو راکھ میری  
مگر شب بھر کا سوز و ساز دے دے

۲۵

سحرگہ ایک شاخ۔ بوستان پر  
یہ گاتا تھا کوئی مرغ۔ نواگر  
کوئی نغمہ ہو یا آہ و فغاں ہو  
سنا دے جو بھی ہے سینے کے اندر



۲۶

ترا لہ یک نکتہ سر بستہ گویم  
اگر درس حیات از من بگیری  
بمیری ، مگر بہ تن جانے نہ داری  
وگر جانے بہ تن داری ، بمیری

۲۸

ترا از خویشتن بیگانہ سازد  
من آن آئے طربناکے ندارم  
بیازارم مجو دیگر متاعے  
چو گل جز سینہ چاکے ندارم

بتاؤں میں تمہیں اک نکتہ راز  
 جو سرِ زندگی مجھ سے سنو گے  
 اگر بے جاں ہے تن تو 'مردنی' ہے  
 اگر تن میں ہے جاں ، زندہ رہو گے

تجھے جو آپ سے بیگانہ کر دے  
 نہیں رکھتا میں وہ آبِ طربناک  
 مرے بازار کی دولت یہی ہے  
 مثالِ 'گل' ، یہ میرا 'سینہ' چاک

جهان يا رب چه خوش هنگامه دارد  
 همه را مستِ يك پيـمانه کردی  
 نگه را با نگه آمیز دادی  
 دل از دل، جان ز جان بیگانه کردی

نه پیوستم درین بستانسرا دل  
 ز بندِ این و آن آزاده رفتم  
 چو بادِ صبح گردیدم دمه چند  
 گلان را آب و رنگه داده رفتم

جہاں میں ہے عجب ہنگامہ یارب  
 سبھی مست ایک جام۔ ارغواں سے  
 نگاہوں سے تو ماتی ہیں نگاہیں  
 جدا ہے دل سے دل اور جاں ہے جاں سے

نہ میں نے اس چمن میں دل لگایا  
 نہ این و آن کی بندش میں رہا میں  
 مثالِ بادِ صبح آیا میں پل بھر  
 گلوں کو رنگ دے کر چل دیا میں

گدایے جلوہ رفتی بر سرِ طور  
 کہ جانِ تو ز خود نامحرمی هست  
 قدم در جستجوی آدمی زن  
 خدا ہم در تلاشِ آدمی هست

ز رازی معنی قرآن چہ پرسی  
 ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است  
 خرد آتش فروزد ، دل بسوزد  
 ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل<sup>۴</sup> است

تو جلوہ ڈھونڈنے پہنچا سرِ طور  
 کہ اپنے سے تجھے نامحرمی ہے  
 ذرا بڑھ کر تلاشِ آدمی کر  
 خدا کو بھی تلاشِ آدمی ہے

نہ پوچھ حضرتِ رازی سے معنیِ قرآن  
 کہ میری ذات ہے خود اس کی آیتوں پہ دلیل  
 خرد سے آگ بھڑکتی ہے ، دل سلگتے ہیں  
 یہی ہے قصہٴ نمرود اور حدیثِ خلیلؑ

من از بود و نبودِ خود خموشم  
 اگر گویم که هستم خود پرستم  
 ولیکن این نوائے سادہ کیست  
 کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

ز من با شاعرِ رنگیں بیان گوئے  
 چہ سود از سوز اگر چون لالہ سوزی  
 نہ خود را می گدازی ز آتشِ خویش  
 نہ شامِ دردمندے برفروزی

۵۴

میں ہوں بھی یا نہیں ہوں ، کیا کہوں میں  
میں ہوں ، خود آپ کیا دعویٰ کروں میں  
مگر ہے یہ نوائے سادہ کس کی  
کوئی کہتا ہے سینے میں کہ ہوں میں

۵۵

یہ کہہ دو شاعر۔ رنگیں بیاں سے  
عبث ہے تو مثالِ لالہ سوزاں  
نہ اس آتش میں تو خود ہی جلا ہے  
نہ روشن اس سے شام۔ دردمنداں



تو اے شیخِ حرم شاید ندانی  
 جہانِ عشق را ہم محشرے ہست  
 گناہ و نامہ و میزاں ندارد  
 نہ او را مسلمے نے کافرے ہست

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا  
 نوائے زندگانی نرم خیز است  
 بدریا غلط و با موجش در آویز  
 حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۵۷

تو اے شیخِ حرم مانے نہ مانے  
جہانِ عشق کا اپنا ہے محشر  
یہاں اعمالِ نامہ ہے نہ میزاں  
یہاں کوئی مسلمان ہے نہ کافر

۶۰

نہ کر ساحل پہ تو منزل کہ اس جا  
نوائے زندگانی نرم تر ہے  
لپٹ جا موج سے دریا میں جا کر  
حیاتِ جاوداں اندر خطر ہے

مگو از مدعای زندگانی

ترا بر شیوه‌های او نگه نیست

من از ذوقِ سفرِ آنگونه مستم

که منزل پیشِ من جز سنگِ ره نیست

مپرس از عشق و از نیرنگیِ عشق

بهر رنگی که خواهی سر بر آرد

درونِ سینه بیش از نقطه نیست

چو آید بر زباں پایاں ندارد

نہ کہہ کہ مقصد و مقصودِ زندگی کیا ہے  
 کہ اس کی رمز و ادا پر تری نگاہ نہیں  
 وہ مستِ ذوقِ سفر ہوں ، مرے لیے منزل  
 ملے جو راہ میں ، جز ایک سنگِ راہ نہیں

عجب ہے عشق اور نیرنگی عشق  
 یہ سو سو رنگ میں جاوہ دکھائے  
 اگر دل میں رہے تو ایک نقطہ  
 ہے بے پایاں اگر کہنے میں آئے

مشو اے غنچہ نورستہ دلگیر  
 ازیں بستان سرا دیگر چہ خواہی  
 لب جو ، بزم گل ، مرغ چمن سیر  
 صبا ، شبنم ، نوائے صبحگاہی

بمِـرغانِ چمنِ ہمداستانم  
 زبانِ غنچہ ہائے بے زبانم  
 چو میرم با صبا خاکم بیامیز  
 کہ جز طوفِ گلاں کارے ندانم

نہ ہو دلگیر اے نو رستہ غنچے

تجھے اس گلستان میں چاہیے کیا

لبِ جو ، سبزہ و بزمِ عنادل

صبا ، شبنم ، ترانہ صبحِ گل کا

چمن میں ہم زبانِ طائراں ہوں

زبانِ غنچہ ہائے بے زباں ہوں

صبا میں میری مٹی کو ملا دو

کہ میں سرگشتہ طوفِ گلاں ہوں

۷۱

تو خورشیدی و من سیاره تو  
سراپا نورم از نگاه نظاره تو  
ز آغوش تو دورم نا تمام  
تو قرآنی و من سیاره تو

۷۳

ده-اغم کافر ز ناردار است  
بتان را بنده و پروردگار است  
دلیم را بیس که نالد از غیم عشق  
ترا با دین و آئینم چه کار است

۷۱

تو خورشید اور میں سیارہ تیرا  
مجھے روشن کرے ! نظارہ تیرا  
میں تجھ سے دور رہ کر نامکمل  
کہ تو قرآن ہے میں سیارہ تیرا

۷۳

ہے زناری دماغِ کافر اپنا  
بجاری ہے مگر بت کا خدا ہے  
مرا دل دیکھ، دردِ عشق کو دیکھ  
مرے مذہب سے تجھ کو کام کیا ہے



۷۵

ز انجم تا به انجم صد جہاں بود  
خرد ہر جا کہ پر زد آسماں بود  
و لیکن چون بخود نگرستم من  
کران بیکراں در من نہاں بود

۷۶

بپائے خود مزن زنجیرِ تقدیر  
تہ این گنبدِ گرداں رہے ہست  
اگر باور نداری ، خیز و دریاب  
کہ چون پا وا کنی جولانگہے ہست

۷۵

ز انجم تا بہ انجم سو جہاں تھا  
خرد جس جا بھی پہنچی آسماں تھا  
مگر جب میں نے اپنے دل میں جہانکا  
کرانِ بیکراں مجھ میں نہاں تھا

۷۶

تقدیر کو ہرگز نہ بنا پاؤں کی زنجیر  
یہ گنبدِ گرداں کوئی زنداں تو نہیں ہے  
باور نہیں گر تجھ کو تو اٹھ پاؤں ذرا کھول  
چلنے کے لیے تیرے فقط راہ یہیں ہے

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم  
 چمن زادیم و از یک شاخساریم  
 تمیز رنگ و بو بر ما حرام است  
 کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

دلِ من! اے دلِ من!!! اے دلِ من!!!  
 یمِ من، کشتیِ من، ساحلِ من!  
 چو شبِ من بر سرِ خاکم چکیدے؟  
 و یا چوں غنچہ رستی از گلِ من؟

نہ ہم افغان نہ ہم ترک و عرب ہیں  
 کہ ہم اولاد ہیں اک ہی چمن کے  
 تمیزِ رنگ و بو ممنوع ہم کو  
 کہ پالا ہے ہمیں اک فصلِ گل نے

مرے دل ! اے مرے دل !!! اے مرے دل !!!  
 مرے یم ، میری کشتی ، میرے ساحل  
 تو میری خاک پر برسا جوں شبیم  
 کہ غنچے کی طرح پھوٹا تو از گل

چه گویم نکته زشت و نکو چیست  
 زبان لرزد که معنی پیچدار است  
 برون از شاخ بینی خار و گل را  
 درون او نه گل پیدا نه خار است

دلِ بیباک را ضرغام ، رنگ است  
 دلِ ترسنده را آهو پلنگ است  
 اگر بیمه نداری بحر صحراست  
 اگر ترسی بهر موجش نهنگ است

زبان لرزے کہ پیچیدہ ہے نکتہ  
 میں تجھ سے کیا کہوں ہے نیک و بد کیا  
 بظاہر شاخ پر ہیں خار و گل بھی  
 پہ شاخ اندر نہ گل نے خار پیدا،

دل ہو بیباک تو روباہ نظر آئے شیر  
 کوئی بُزدل ہو تو آہو بھی نظر آئے پلنگ  
 خوف گر دل میں نہیں، بحر ہے مثل صحرا  
 ڈر سے لرزاں ہو تو ہر موج ہے مانند نہنگ

ندانم باده ام یا ساغر من  
 گهر در دامنم یا گوهر من  
 چنان بینم چو بر دل دیده بندم  
 که جانم دیگر است و دیگر من

چو در جنت خرامیدم پس از مرگ  
 بچشمم این زمین و آسمان بود  
 شکسته با جان حیرانم در آویخت  
 جهان بود آن که تصویر جهان بود

نہ جانے میں ہوں بادہ یا کہ ساغر  
 گہر دامن میں ہے یا خود ہوں گوہر  
 نگہ ڈالوں جو دل پر یوں نظر آئے  
 کہ میری جاں دگر ہے میں ہوں دیگر

خراماں خلد میں تھا بعدِ مُردن  
 نگہ سوئے زمین و آسماں تھی  
 یکایک آلیا اس شک نے دل کو  
 جہاں تھا وہ کہ تصویرِ جہاں تھی



۱۰۲

چسماں اے آفتابِ آسماں گرد

بایں دوری پچشمِ من در آئی؟

بخاکی واصل و از خاکدان دور!

تو اے مژگانِ گسلِ آخر کیجائی؟

۱۰۳

تراش از تیشہٴ خود جادۂ خویش

براہِ دیگران رفتنِ عذاب است

گر از دستِ تو کارِ نادر آید

گناہِ ہم اگر باشد ثواب است

۱۰۲

یہ کیسے ہے کہ خورشیدِ فلکِ گرد  
بہت دور اور آنکھوں کے میاں ہے  
ہے خاکی کے قرین اور خاک سے دور  
تو مڑگاں سوز ! کس جا ہے کہاں ہے ؟

۱۰۳

خود اپنے ہاتھ سے تو اپنی راہ پیدا کر  
کسی کی راہ پہ چلنا عذاب ہوتا ہے  
کیا ہے کارِ نمایاں کوئی اگر تو نے  
گناہ بھی ہو تو کارِ ثواب ہوتا ہے

۱۱۲

دلِ من رازدانِ جسم و جانِ است  
نہ پنداری اجل بر من گران است  
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشم  
ہنوز اندر ضمیر صد جہاں است

۱۱۶

دلِ من بے قرارِ آرزوئے  
درونِ سینہ من ہائے و ہوئے  
سخن اے ہمنشیں از من چہ خواہی  
کہ من با خویش دارم گفتہ گوئے

مرا دل رازدارِ جسم و جاں ہے  
 نہ سمجھو تم اجل مجھ پر گراں ہے  
 جو کھویا اک جہاں میں نے تو کیا غم  
 مرے سینے کے اندر سو جہاں ہے

مرا دل بیقرارِ آرزو ہے  
 مرے سینے میں برپا ہا و ہو ہے  
 سخن تجھ سے کروں میں ہمیشہ کیا  
 مجھے درپیش خود سے گفتگو ہے

مرنج از برهمن اے واعظِ شہر  
 گر از ما سجدهٔ پیشِ بتان خواست  
 خدای ما کہ خود صورتگری کرد  
 بتے را سجدهٔ از قدسیان خواست

حکیمان گرچہ صد پیکر شکستند  
 مقیمِ سومناتِ بود و هستند  
 چسان افرشته و یزداں بگیرند  
 هنوز آدمِ بفتراکے نہ بستند

برا مت مانیو واعظ ، جو مجھ سے  
 مصر ہے برہمن بت کو ہو سجدہ  
 خدا خود بھی تو صورت گر ہے جس نے  
 کرایا قدسیوں سے بت کو سجدہ

اگرچہ توڑ چکے بت کئی حکیم خرد  
 یہ ہست و بوڈ کے مندر میں ہیں اقامت گیر  
 یہ کیا فرشتہ و یزداں پہ ہاتھ ڈالیں گے  
 جو آدمی کو بھی اب تک نہ کر سکے نچیر

۱۲۱

هزاران سال با فطرت نشستم  
باو پیوستم و از خود گسستم  
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است  
تراشیدم ، پرستیدم ، شکسستم

۱۲۲

تو اے دل تا نشینی در کنارم  
ز تشریفِ شہاں خوشتر گایم  
درونِ سینه‌ام باشی پس از مرگ؟  
من از دستِ تو در امید و بیمم

ہزاروں سال فطرت سے نباہی  
 آسے اپنایا اور اپنے کو چھوڑا  
 مگر میری کہانی ہے دو حرفی  
 تراشا بت کو ، پوجا اور توڑا

مرے پہلو میں جب تک تو ہے اے دل  
 فقیری میں شہوں سے خوش قبا ہوں  
 تو ہوگا میرے سینے میں پس مرگ؟  
 اسی بیم و رجا میں مبتلا ہوں



ز من گو صوفیانِ باصفا را  
 خداجویانِ معنی آشنا را  
 غلامِ همتِ آن خودپرستم  
 که با نورِ خودی بیند خدا را

چو نرگس این چمن نادیده مگذر  
 چو بو در غنچهٔ پیچیده مگذر  
 ترا حق دیدهٔ روشن ترے داد  
 خرد بیدار و دل خوابیده مگذر

۱۲۸

یہ کہہ دو صوفیانِ باصفا کو  
خدا جو بیانِ معنی آشنا کو  
میں آس خود آشنا کو دل سے مانوں  
جو اپنے نور سے دیکھے خدا کو

۱۲۹

باغ سے صورتِ نرگس نہ گزرُ نادیدہ  
نہ گزرُ غنچے میں خوشبو کی طرح پیچیدہ  
حق نے بخشا ہے تجھے نورِ نظر ، یوں نہ گزر  
عقلِ بیدار لیے اور دلِ خوابیدہ

۱۳۰

تراشیدم صنم بر صورتِ خویش  
بشکلِ خود از خدا را نقشِ بستم  
مرا از خود برون رفتن محال است  
بهر رنگی که هستم خود پرستم

۱۳۳

ضمیرِ کُن فکاں غیر از تو کس نیست  
نشانِ بے نشان غیر از تو کس نیست  
قدمِ بے باک تر نه در ره زیست  
به پهنای جہاں غیر از تو کس نیست

۱۳۰

تراشا میں نے بت تو اپنے جیسا  
خدا کو اپنا ہم صورت بنایا  
میں اپنی ذات سے چھوٹوں تو کیسے  
پجاری ہوں میں ہر صورت میں اپنا

۱۳۳

ضمیر کُن فکاں گر ہے تو تو ہے  
نشان بے نشان گر ہے تو تو ہے  
قدم بے باک رکھ راہِ جہاں میں  
اگر کوئی جہاں میں ہے تو تو ہے

۱۳۴

زمین خاکِ درِ میخانهٔ ما

فلک یک گردشِ پیمانهٔ ما

حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است

جهان دیباچهٔ افسانهٔ ما

۱۳۵

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت

خراجِ شهر و گنجِ کان و یم رفت

آمم را از شهبان پائنده تر دان

نمی بینی که ایران ماند و جم رفت؟

۱۳۴

زمین ہے خاک میرے میکدے کی  
فلک گردش ہے میرے جامِ مے کی  
بہت گھمبیر سوز و ساز میرا  
جہاں تو ایک سر ہے میری لے کی

۱۳۵

سکندر کا علم باقی نہیں ہے  
سپہ ، دولت ، حشم باقی نہیں ہے  
ہیں قومیں بادشاہوں سے قوی تر  
کہ ایران ہے پہ جم باقی نہیں ہے

۱۳۸

مرا از پرده ساز آگهی نیست  
ولے دایم نوائے زندگی چیست  
سرودم آنچنان در شاخساران  
گل از مرغ چمن پرسد که این کیست

۱۴۱

عجم از نغمه ام آتش بجان است  
صدای من درای کاروان است  
حدی را تیزتر خوانم چو عرفی  
که ره خوابیده و محل گران است

۱۳۸

میں نا واقف سہمی از پردہ ساز  
مگر واقف ہوں رازِ زندگی سے  
چمن میں اس طرح نغمہ سرا ہوں  
کہ گل بلبل سے میرا پوچھتا ہے

۱۴۱

مری لے سے عجم آتش بجاں ہے  
صدا میری درائے کارواں ہے  
حدی کو تیز پڑھتا ہوں جوں عرفی  
کہ رہ خاموش اور محمل گراں ہے



۱۲۳

مرا مثل نسیم آواره کردند  
دلَم مانند گل صد پاره کردند  
نگاهم را که پیدا هم نه بیند  
شہید لذتِ نظارہ کردند

۱۲۹

رمیدی از خداوندانِ افرنگ  
ولے بر گور و گنبد سجده پاشی  
به لالائی چنان عادت گرفتی  
ز سنگِ راہ مولای تراشی

۱۴۳

مجھے کیا ہے مثالِ نسیمِ آوارہ  
کیا ہے صورتِ گلِ میرے دل کو صد پارہ  
مری نگہ کو، کہ ظاہر بھی جو نہ دیکھ سکے  
بنا دیا ہے شہیدِ نشاطِ نظارہ

۱۴۹

خداوندانِ افرنگی کو چھوڑا  
تو پیشِ گور و گنبد سر جھکایا  
تجھے وہ لت پڑی ہے چاکری کی  
کہ سنگِ راہ کو مولا بنایا

بجان من که جان نقش تن انگیخت  
 هوای جاوه این گل را دورو کرد  
 هزاران شیوه دارد جان بیتاب  
 بدن گردد چو با یک شیوه خو کرد

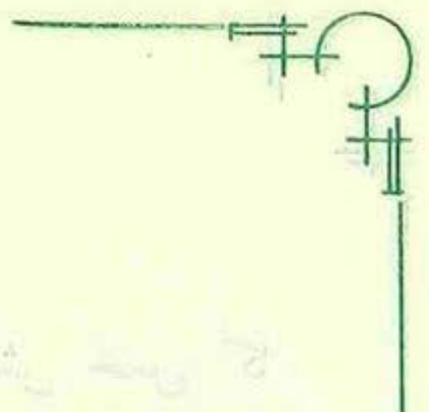
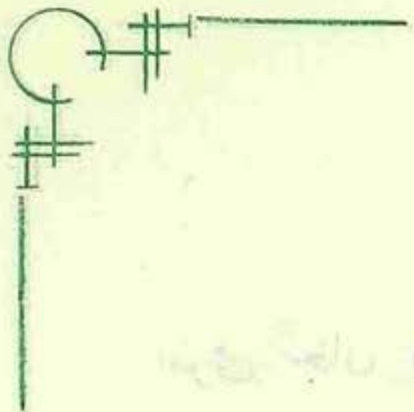
مرا ذوق سخن خون در جگر کرد  
 غبار راه را مشت شرر کرد  
 بگفتاری محبت لب کشودم  
 بیان این راز را پوشیده تر کرد

۱۵۲

مری جاں میں کہ تن ہے نقش جس کا  
دکھاوے کی لگن سے دو رخی ہے  
یہ جاں رکھتی ہے شیوہ سو طرح کا  
جو یک شیوہ بنی تو تن بنی ہے

۱۶۲

مرے ذوقِ سخن سے خوں جگر ہے  
غبارِ راہ اب مشّتِ شرر ہے  
بیانِ رازِ الفت لب پہ آیا  
جو پوشیدہ تھا اب پوشیدہ تر ہے

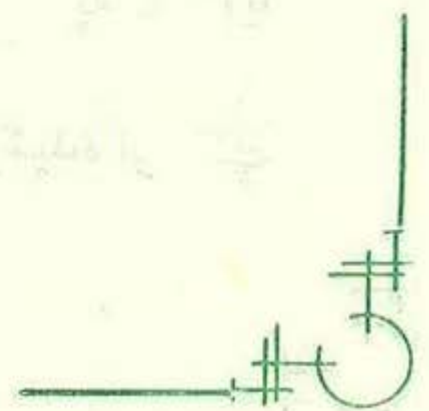
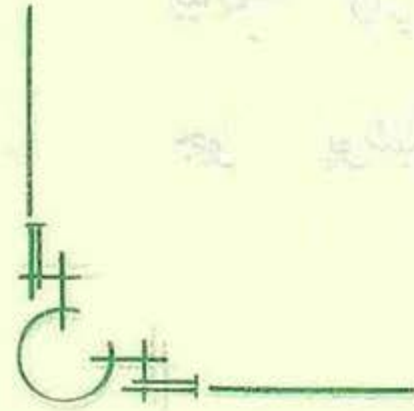


۲۵۲

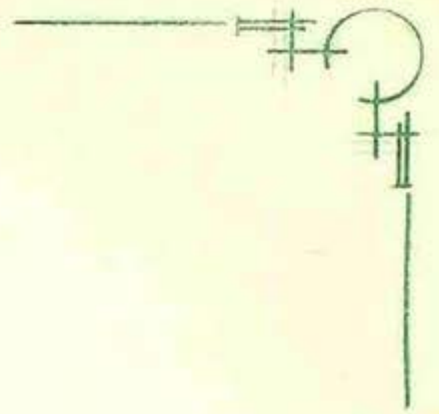
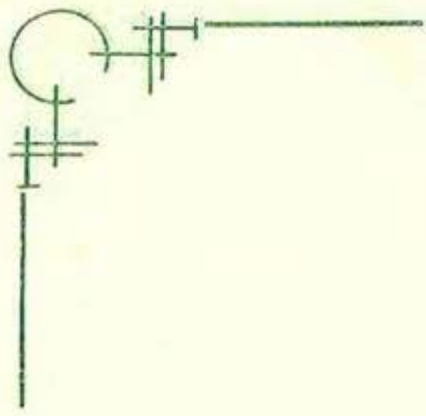
در این مقام که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است

۲۵۳

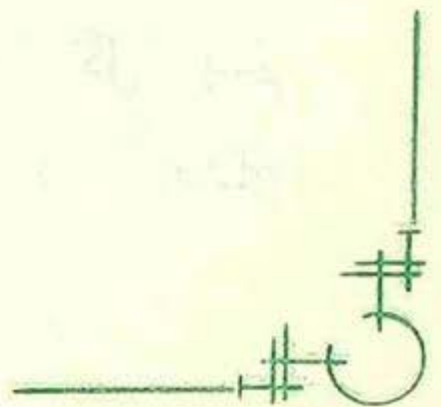
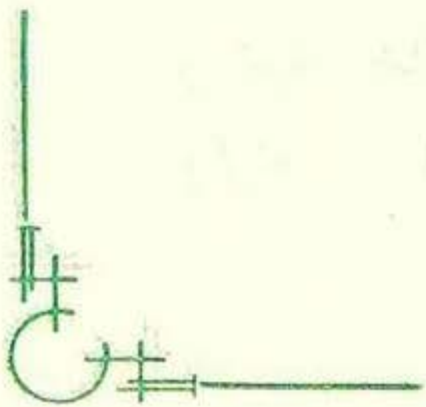
در این مقام که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است  
 در مقام اول که در مقام اول است



۲۵۴



## افكار



## گلِ نَخَسْتِیْنِ

هنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم  
بہار می رسد و من گلِ نَخَسْتِیْنِ

بہ آجو نگرم خویش را نظارہ کنم  
باین بہانہ مگر روے دیگرے بینم

بخامہ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است  
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم

دلہ بہ دوش و نگاہم بہ عبرتِ امروز  
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم

ز تیرہ خاک دمیدم قبایے گل بستم  
وگر نہ اخترِ واماندہ ز پروینم

## گُلِ نَخُسْتِیْنِ

ابھی چمن میں مرا ہم نفس نہیں کوئی  
کہ میں بہار کے موسم کا اولیں گل ہوں

میں دیکھتا ہوں کسی آجو میں عکس اپنا  
کہ اس بہانے کسی دوسرے کا منہ دیکھوں

آسی قلم نے جو کرتی ہے زندگی تحریر  
پیام یہ بھی مری پنکھڑی پہ لکھا ہے

ہے دل میں کل تو نگاہوں میں آج کا انجام  
خیال میں کوئی تدبیرِ روزِ فردا ہے

ہوں میں بھی اخترِ پرویں نژاد گو میں نے  
آبھر کے خاک سے گلُ کا لباس پہنا ہے



## دعا

اے کہ از خمخانہ فطرت بجامم ریختی  
ز آتشِ صہبای من بگداز مینای مرا  
عشق را سرمایہ ساز از گرمی فریادِ من  
شعلہٴ بیباک گرداں خاکِ سینای مرا  
چوں بمیرم از غبارِ من چراغِ لالہ ساز  
تازہ کن داغِ مرا ، سوزاں بصرای مرا

## دعا

اے کہ تو نے مجھ کو بخشی ہے خمِ فطرت سے مے  
ہاں اسی مے کی تپش پگھلائے پیمانہ مرا

ذرہ ذرہ میرے تن کا شعلہ بیباک ہو  
تیز ہو میری نوا سے عشقِ مستانہ مرا

خاکِ تربت سے مری روشن چراغِ لالہ کر  
میرے دل کے داغ سے تاباں ہو ویرانہ مرا

## ہلالِ عید

نتوان ز چشمِ شوق رمید اے ہلالِ عید  
از صد نگہِ براہِ تو دامے نہادہ اند

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرغ  
در سینہٴ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

## ہلالِ عید

تو چشمِ شوق سے نہ بچے گا ہلالِ عید  
رہ میں تری ہزار نگاہوں کا دام ہے

اپنے کو دیکھ ، اپنی تھی دامنی نہ دیکھ  
سینے میں تیرے جلوۂ ماہِ تمام ہے

## تسخیرِ فطرت

میلاَدِ آدم

نعره زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد  
حسن لرزید کہ صاحبِ نظرے پیدا شد  
فطرتِ آشفّت کہ از خاکِ جہانِ مجبور  
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد  
خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل  
حذر اے پردگیانِ پردہ درے پیدا شد  
آرزو بیخبر از خویش باغوشِ حیات  
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد  
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر  
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

## تسخیرِ فطرت

### میلادِ آدم

عشق للکارا کہ اک خونیں جگر پیدا ہوا  
حسن لرزاں تھا کہ اک صاحبِ نظر پیدا ہوا  
تھی پریشاں فطرت اس خاکِ جہانِ زار سے  
ایک خودِ گر، خودِ شکن، اک خودِ نگر پیدا ہوا  
آسمانوں سے خبر پہنچی ازل کے صحن میں  
دیکھنا پردہ نشینو، پردہ در، پیدا ہوا  
گود میں ہستی کے خود سے بے خبر تھی آرزو  
خواب سے چونکی تو عالم ہی دگر پیدا ہوا  
زندگی بولی، تڑپتے عمر گزری خاک میں  
تب کہیں اس گنبدِ دیریں میں در پیدا ہوا

## آدم از بهشت بیرون آمده می گوید

چه خوش است زندگی راهمه سوز و ساز کردن  
دلِ کوه و دشت و صحرا به دمه گداز کردن  
ز قفس درے کشادن به فضائے گلستانے  
ره آسمان نوردن به ستاره راز کردن  
بگدازهای پنہاں ، به نیازهای پیدا  
نظرے ادا شناسے بحریم۔ ناز کردن  
گہے جز یکی ندیدن به هجوم۔ لاله زارے  
گہے خار۔ نیش زن را ز گل امتیاز کردن  
همه سوزِ نا تمام ، همه دردِ آرزویم  
بگمان دهم یقین را کہ شهیدِ جستجویم

## آدم بہشت سے باہر آتے ہیں

عجب مزہ ہو جو ہستی کو سوز و ساز کریں  
نفس نفس سے دلِ دشت و کوہ گداز کریں

نفس سے راہ نکالیں فضائے گلشن کی  
رہِ فلک میں ستاروں سے ساز باز کریں

لیے گدازِ نہاں بھی، نیازِ پیدا بھی  
اداشناس نظر سوئے بامِ ناز کریں

کبھی چمن میں ہر اک ایک سا نظر آئے  
تو گاہ خار میں اور گل میں امتیاز کریں

میں کہ سوزِ نارسا ہوں، میں کہ دردِ آرزو ہوں  
میں یقین گماں پہ واروں کہ شہیدِ جستجو ہوں



## نوائے وقت

خورشید بہ دامانم ، انجم بہ گریبانم  
در من نگری ہیچم ، در خود نگری جانم  
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم  
من دردم و درمانم ، من عیش۔ فراوانم  
من تیغِ جہاں سوزم ، من چشمہٴ حیوانم

چنگیزی و تیموری ، مشتی ز غبارِ من  
ہنگامہٴ افرنگی ، یک جستہ شرارِ من  
انسان و جہانِ او ، از نقش و نگارِ من  
خونِ جگرِ مردان ، سامانِ بہارِ من  
من آتشِ سوزانم ، من روضہٴ رضوانم

## نوائے وقت

خورشید بہ داماں ہوں ، انجم بہ گریباں ہوں  
میں ہیچ ہوں گر دیکھو ، دیکھو تو تری جاں ہوں  
ہوں شہر و بیاباں میں ، در بزم و شبستاں ہوں  
میں درد بھی درماں بھی ، میں عیش فراواں ہوں  
میں تیغِ جہاں سوزاں ، میں چشمہٴ حیواں ہوں

چنگیزی و تیموری ہے مشتِ غبار اپنا  
ہنگامہٴ افرنگی اک جستہ شرار اپنا  
انساں کا جہاں سارا ، ہے نقش و نگار اپنا  
خونِ جگرِ مرداں ، سامانِ بہار اپنا  
میں آتشِ سوزاں ہوں ، میں روضہٴ رضواں ہوں

آسوده و سیارم ، این طرفه تماشا بین  
در باده امروزم ، کیفیت فردا بین  
پنہاں بہ ضمیر من ، صد عالم رعنا بین  
صد کوکبِ غلطان بین ، صد گنبدِ خضرا بین  
من کسوتِ انسانم ، پیراھنِ یزدانم

تقدیرِ فسونِ من ، تدبیرِ فسونِ تو  
تو عاشقِ لیلائے ، من دشتِ جنونِ تو  
چون روحِ رواں پاکم ، از چند و چگونِ تو  
تو رازِ درونِ من ، من رازِ درونِ تو  
از جانِ تو پیدایم ، در جانِ تو پنہانم

ساکن بھی ہوں گرداں بھی کیا طرفہ تماشا ہے  
امروز کے شیشے میں کیفیتِ فردا ہے  
پنہاں مرے سینے میں سو عالمِ رعنا ہے  
سو کوکبِ غلطاں ہیں ، سو گنبدِ خضرا ہے  
میں کسوتِ انساں ہوں ، پیراہنِ یزداں ہوں

تقدیرِ فسوں میرا ، تدبیرِ فسوں تیرا  
تو عاشقِ لیلیٰ ہے ، میں دشتِ جنوں تیرا  
میرے لیے لا حاصل ، یہ چند و چگون تیرا  
تو رازِ دروں میرا ، میں رازِ دروں تیرا

پیدا ہوں تری جاں سے ، جاں میں تری پنہاں ہوں

من رهرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل  
تو سازِ صد آهنگے، تو گرمیٰ این محفل  
آوارہ آب و گِل! دریاب مقامِ دل  
گنجیدہ بہ جامے ہیں این قلمِ بے ساحل  
از موجِ بلندِ تو سر بر زدہ طوفانم



میں رہرو ہوں تو منزل ، میں کہیت ہوں تو حاصل  
تو ساز ہے سو سُسر کا ، گرماتا ہے ہر محفل  
آوارہ آب و گل ، آ دیکھ مقامِ دل  
اک جام میں سمٹا ہے ، یہ قلزمِ بے ساحل  
تو موجِ بلند اس کی ، میں ورطہ طوفان ہوں

## حیاتِ جاوید

گہاں مہر کہہ بپایاں رسید کارِ مغان  
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

چمن خوش است ولیکن چو غنچہ نتوان زیست  
قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است

اگر ز رمزِ حیات آگہی، مجوے و مگیر  
دلے کہ از خلشِ خارِ آرزو پاک است

بخود خزیدہ و محکم چو کوهساراں زی  
چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

## حیاتِ جاوید

گماں نہ کر کہ ہوا ختم کاروبارِ مغان  
ہزار بادۂ نوشیدنی ہے درِ رگِ تاک

چمن ہے خوب پہ غنچے کی طرح کیا جینا  
دمِ صبا سے ہے جس کی قبائے ہستی چاک

ہے رمزِ زیست سے واقف اگر، تو کر نہ قبول  
وہ دل کہ ہے خلشِ خارِ آرزو سے پاک

رہ اپنی ذات پہ محکم تو کو ہزار صفت  
نہ مثلِ خس کہ ہوا تیز شعلہ ہے بیباک



## زندگی

شبی زار نسالید ابر بهار  
که این زندگی گریه پیهم است

درخشید برق سبک سیر و گفت  
خطا کرده، خنده یکدم است

ندانم به گلشن که بُرد این خبر  
سخنها میان گل و شبنم است

## زندگی

کہا یہ رات کو ابر بہار نے رو کر  
یہ زندگی ہے فقط ایک گریہ پیہم

چمک کے برق سبک سیر نے جواب دیا  
غلط! حیات کا مقصد ہے خندہ یکدم

نہ جانے کس نے خیر گلستاں میں پہنچائی  
کہ جب سے بیٹھے ہیں سر جوڑ کر گل و شبنم

## سرودِ انجم

ہستیٰ ما نظام۔ ما  
مستیٰ ما خرام۔ ما  
گردش۔ بے مقام۔ ما  
زندگیٰ دوام۔ ما  
دورِ فلک بکام۔ ما مے نگریم و مے رویم

جاوہ گہ۔ شہود۔ را  
بتکدہ۔ نمود۔ را  
رزم۔ نبود و بود۔ را  
کشمکش۔ وجود۔ را  
عالم۔ دیر و زود۔ را ، مے نگریم و مے رویم

## سرودِ انجم

ہستی مری ، مرا نظام  
مستی مری ، مرا خرام  
ہے اسی دورِ بے مقام  
سے مری ہستیءِ دوام  
دورِ فلک سے شاد کام میں دیکھتا چلا گیا

جلاوہ گہ شہود کو  
بت کدہ نمود کو  
رزمِ نبود و بود کو  
کشمکشِ وجود کو

عالمِ دیر و زود کو میں دیکھتا چلا گیا

گرمی کارزارها  
خامی پختہ کارها  
تاج و سریر و دارها  
خواری شہر یارها  
بازی روزگارها ، مے نگریم و مے رویم

خواجہ زسروری گذشت  
بندہ ز چاکری گذشت  
زاری و قیصری گذشت  
دور سکندری گذشت

شیوہ بت گری گذشت ، مے نگریم و مے رویم

گرمی گارزار بھی  
خامی پختہ کار بھی  
تاج و سریر و دار بھی  
خواری شہریار بھی  
بازی روزگار بھی میں دیکھتا چلا گیا

آقا کی سروری گئی  
بندے کی چاکری گئی  
زاری و قیصری گئی  
شانِ سکندری گئی  
رسمِ صنم گری گئی میں دیکھتا چلا گیا

خاک خموش و درخروش

سست نهاد و سخت کوش

گاہ به بزمِ ناؤِ نوش

گاہ جنازہٴ به دوش

میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم

تو بہ طاسمِ چون و چند

عقلِ تو در کشاد و بند

مثلِ غزالہ در کمند

زار و زبون و درد مند

ما بہ نشیمنِ بلند، مے نگریم و مے رویم

خاکِ خموش کا خروش  
سست نہاد و سخت کوش  
ہے کبھی بزمِ ناؤ نوش  
اور کبھی میتیں بدوش  
شاہ و غلام سفتہ گوش ، میں دیکھتا چلا گیا

تیری خرد کے چون و چند  
کشمکشِ کشاد و بند  
مثلِ غزالان در کمنند  
زار و زبون و دردمند  
میں بہ نشیمنِ بلند ، میں دیکھتا چلا گیا



پردہ چرا؟ ظہور چہست؟  
اصلِ ظلام و نور چہست  
چشم و دل و شعور چہست؟  
فطرتِ ناصبور چہست؟  
ایں ہمہ نزد و دور چہست؟ مے نگریم و مے رویم

بیش۔ تو نزدِ ما کمے  
سالِ تو پیشِ ما دمے  
اے بکنارِ تو یمے  
ساختہ، بہ شبنمے

ما بتلاشِ عالمے، مے نگریم و مے رویم

پردہ ہے کیا ظہور کیا  
تیرگی کیا ہے نور کیا  
چشم و دل و شعور کیا  
فطرتِ ناصبور کیا  
یہ سبھی نزد و دور کیا ، میں دیکھتا چلا گیا

تیرا ہے بیش میرا کم  
سال ترا ، مرا ہے دم  
شبِ نیم کو سمجھا جامِ جم  
رکتے نہیں مرے قدم  
پاؤں کوئی جہاں نیا ، میں دیکھتا چلا گیا

## نسیمِ صبح

ز رویِ بحر و سرِ کوهسار می آیم  
و لیک می نشناسم که از کجا خیزم

دہم به غمزده طائر پیامِ فصلِ بہار  
تہِ نشیمنِ او سیمِ یاسمن ریزم

به سبزہ غلطم و بر شاخِ لالہ می پیچم  
کہ رنگ و بو ز مساماتِ او بر انگیزم

خمیدہ تا نشود شاخِ او ز گردشِ من  
به برگِ لالہ و گلِ نرمِ نرمک آویزم

چو شاعرے ز غمِ عشق در خروش آید  
نفسِ نفسِ بہ نواہائے او در آمیزم!

## فسیم صبح

میں روئے بحر و سرِ کوہسار سے گزری  
پہ بے خبر ہوں کہ اٹھ کر کہاں سے آتی ہوں

سنا کے طائرِ غمگین کو فصلِ گل کا پیام  
میں اس کے پاؤں میں پھولوں کا زر پچھاتی ہوں

لپٹ کے پھول سے سبزے کو گود میں لے کر  
میں رنگ و بو کو فضاؤں میں کھینچ لاتی ہوں

لچک نہ جائے کمر اس کی شاخِ نازک کی  
میں برگِ لالہ اس انداز سے جھلاتی ہوں

غزل سرا ہو غیمِ عشق میں کبھی شاعر  
تو جا کے اس کی صدا سے صدا ملاتی ہوں

## کرم کتابی

شنیدم شبے در کتب خانہ من  
به پروانہ می گفت کرم کتابی

باوراق سینا نشیمن گرفتم  
بسے دیدم از نسخہ فاریابی

نہمیدہ ام حکمتِ زندگی را  
ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی

نکو گفت پروانہ نیم سوزے  
کہ این نکتہ را در کتابے نیابی

تپش می کند زندہ تر زندگی را  
تپش می دہد بال و پر زندگی را

## کرم کتابی

کتابوں کے کمرے میں میں نے سنا ہے  
یہ کہتا تھا اک رات کرم کتابی

بہت میں نے چھانے ہیں اوراقِ سینا  
ہیں ازبر کئی نسخہٴ فاریابی

نہ سمجھا مگر حکمتِ زندگی کو  
ہیں تیرہ مرے دن زبے آفتابی

کہا اس سے پروانہٴ نیم جاں نے  
سنو مجھ سے نکتہ نہیں یہ کتابی

تپش نے کیا زندہ تر زندگی کو  
تپش نے دیے بال و پر زندگی کو

## قطرہ آب

مرا معنی تازہ مدعا ست

اگر گفته را باز گویم رواست

”یکے قطرہ باران ز ابرے چکید

خیجل شد چو پہنائے دریا بدید

کہ جائے کہ دریا ست من کیستم

گر او هست حقا کہ من نیستم“

و لیکن ز دریا برآمد خروش

ز شرم تنک مایگی رو مپوش

## قطرۂ آب

میرا مقصود ہے ایک مضمون نیا  
گرچہ دھرا رہا ہوں کسی کا کہا

ابر سے ایک بارش کا قطرہ گرا  
آ کے دیکھا جو دریا ، ہراساں ہوا

یہ ہے دریا تو کیا چیز ہوں میں بہلا  
اس کے آگے مری ننھی ہستی ہے کیا

آئی دریا سے آواز اے بے خبر  
اس تنک مایگی پر نہ کر تو نظر



تماشاے شام و سحر دیدہ  
چمن دیدہ ، دشت و در دیدہ

به برگِ گیاہے ، بدوشِ سحاب  
درخشیدی از پرتوِ آفتاب

گہے ہمدم۔ تشنه کامان۔ راغ  
گہے محرم۔ سینہ چاکان۔ باغ

گہے خفته در تاک و طاقت گداز  
گہے خفته در خاک و بے سوز و ساز

تو نے دیکھا تماشے شام و سحر  
تو نے دیکھے چمن، دشت اور بحر و بر

بہ برگِ گیاه اور بدوشِ سحاب  
تجھ کو چمکا گیا پرتوِ آفتاب

کبھی ہمدم۔ تشنہ کامان۔ راغ  
کبھی محرم۔ سینہ چاکان۔ باغ

کبھی تاک میں تو ہے طاقت گداز  
کبھی خاک میں خفته بے سوز و ساز

ز موج سبک سیر من زاده  
ز من زاده در من افتاده

بیاسای در خلوت سینه ام  
چو جوهر درخش اندر آئینه ام

گهر شو در آغوش قلزم بزی  
فروزان تر از ماه و انجم بزی

میری موج۔ سبک سیر سے تو اٹھا  
میرے سینے سے اٹھ کر وہیں آگرا

پھر سے آرام کر تو مرے سینے میں  
مثل۔ جوہر چمک میرے آئینے میں

گنہر بن کے آغوش۔ قلزم میں جی  
ماہ و انجم سے روشن ہو ہستی تری

## محاوره ما بين خدا و انسان

خدا

جهان را ز يك آب و گل آفريدم  
تو ايران و تاتار و زنگ آفريدى

من از خاك پولادِ ناب آفريدم  
تو شمشير و تير و تفنگ آفريدى

تبر آفريدى نهالِ چمن را  
قفس ساختى طائرِ نغمه زن را



## خدا اور انسان

خدا

میں نے اک مٹی سے یہ سارا جہاں پیدا کیا  
تو نے قفقاز و تار و سیستان پیدا کیے

میں نے اس مٹی سے فولادِ گراں پیدا کیا  
تو نے شمشیر و تبر، تیر و سناں پیدا کیے

تیرا تیشہ نہالِ چمن کے لیے  
اور قفسِ طاثرِ نغمہ زن کے لیے

## انسان

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

سفال آفریدی ایام آفریدم

بیابان و کمسار و راغ آفریدی

خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم که از سنگ آئینه سازم

من آنم که از زهر نوشینه سازم

## انسان

رات پیدا تو نے کی ، پیدا کیا میں نے چراغ  
خاک پیدا تو نے کی ، پیدا کیا میں نے ایام

تیری قدرت نے بنائے کوہ و صحرا دشت و راغ  
میری محنت نے بنائے گلشن و گلزار و باغ

سنگ سے میں نے آئینہ پیدا کیا  
زہر سے میں نے نوشینہ پیدا کیا





## تنہائی

بہ بحر رفتم و گفتم بہ موج۔ بیتاے  
ہمیشہ در طلب استی چہ مشکایے داری؟  
ہزار لولوی لالاست در گریبانت  
درونِ سینہ چو من گوہر۔ دلے داری؟  
تپید و از لبِ ساحل رمید و ہیچ نگفت

بگوہ رفتم و پرسیدم این چہ بیدردی است  
رسد بگوش۔ تو آہ و فغانِ غم زدہ؟  
اگر بہ سنگ۔ تو لعلے ز قطرہ خون است  
یکے درآ بسخن با من۔ ستم زدہ۔

بخود خزید و نفس در کشید و ہیچ نگفت

## تنہائی

یہ جا کے بحر میں اک موج سے کہا میں نے  
تجھے ہے کس کی طلب، کس طرح کی مشکل ہے؟  
ہزار موتی ہیں گرچہ ترے گریباں میں  
پہ تیرے سینے میں میرا سا گوہر۔ دل ہے؟

مچل کے موج نے رستہ لیا، پہ کچھ نہ کہا

یہ جا کے کوہ سے میں نے کہا کہ اے بے درد  
تو روز سنتا ہے آفت زدوں کی آہ و بکا  
جو تیرے سنگ میں اک لعلِ قطرہ خوں ہے  
تو مجھ غریب کی سن، آج کچھ مجھے بھی سنا

وہ دم بخود مجھے دیکھا کیا، پہ کچھ نہ کہا

ره دراز بریدم ز ماه پرسیدم  
سفر نصیب! نصیب تو منزلی است که نیست؟  
جهان ز پر تو سیماے تو سمن زارے  
فروغ داغ تو از جلوۂ دلے است که نیست؟  
سوے ستاره رقیبانه دید و هیچ نگفت

شدم بحضرت یزداں گذشتم از مه و مهر  
که در جهان تو یک ذره آشنایم نیست  
جهان تہی ز دل و مشتی خاک من همه دل  
چمن خوش است ولے درخور نوایم نیست  
تبسمے به لب او رسید و هیچ نگفت

میں اور دور گیا جا کے ماہ سے پوچھا  
سفر نصیب ، ہے منزل کوئی تری کہ نہیں  
جہاں پہ بکھری ہے چاندی تری ضیاؤں کی  
ہے تیرے داغ میں دل جلوہ گر کوئی کہ نہیں  
وہ اپنے تاروں کو تکتا رہا ، پہ کچھ نہ کہا

گیا میں سب سے گزر کر حضورِ یزداں میں  
کہا جہاں میں مرا آشنا نہیں کوئی  
ہے دل کا قحط یہاں اور میں سراپا دل  
ترے چمن میں نہیں درخورِ نوا کوئی  
وہ لائے لب پہ تبسم ذرا پہ کچھ نہ کہا

## ششمینم

گفتند فرود آئی ز اوجِ مه و پرویز

بر خود زن و با بحرِ پُر آشوب بیا میز

با موج در آویز

نقشِ دگر انگیز

تابنده گهر خیز

من عیشِ هم آغوشی دریا نه خریدم

آن باده که از خویش رباید نچشیدم

از خود نه رمیدم

ز آفاق بریدم

بر لاله چکیدم

## شبِ بنم

کہنے لگے اوجِ مہ و پرویں سے اتر آ  
کہنے لگے آ بجرِ پُر آشوب سے مل جا

ہو موج سے غلطاں  
سو نقش بداماں  
جوں گوہرِ تاباں

بھایا نہ مجھے عیشِ ہم آغوشی۔ دریا  
جو اپنے سے بے خود کرے وہ جام نہ چکھتا

خود سے نہ گئی میں  
گردوں سے بچی میں  
لالے پہ گری میں

گل گفت کہ ہنگامہ مرغانِ سحر چیست؟  
این انجمن آراستہ بالائے شجر چیست؟

این زیر و زبر چیست؟  
پایانِ نظر چیست؟  
خارِ گلِ تر چیست؟

تو کیستی و من کیم این صحبتِ ما چیست؟  
بر شاخِ من این طائرکِ نغمہ سرا چیست؟

مقصودِ نوا چیست؟  
مطلوبِ صبا چیست؟  
این کہنہ سرا چیست؟

گُل بولا کہ ہے نغمہٴ مرغانِ سحر کیا  
یہ بزم ہے آراستہ بالائے شجر کیا

یہ زیر و زبر کیا؟  
پایانِ نظر کیا!  
خارِ گُلِ تر کیا!

'تو کون ہے میں کون ہوں، کیوں بیٹھے ہیں مل کر  
گاتا ہے مری شاخ پہ کیا مرغِ نوا گر

مقصودِ نوا کیا؟  
مطلوبِ صبا کیا؟  
یہ کہنہ سرا کیا؟



گفتم که چمن رزمِ حیاتِ همه جایی است  
بزمی است که شیرازه او ذوقِ جدائی است

دم؟ گرم نوائی است  
جا؟ چهره کشائی است  
این رازِ خدائی است

من از فلک افتاده تو از خاک دمیدی  
از ذوقِ نمود است دمیدی که چکید

در شاخ تپیدی  
صد پرده دریدی  
بر خویش رسیدی!

میں بولی چمن رزم۔ حیاتِ ہمہ جائی  
اس بزم کا شیرازہ ہے یہ ذوقِ جُدائی

دم ؟ گرم نوائی  
جاں ؟ چہرہ کشائی  
ہے رازِ خدائی

برسی میں فلک سے تو اٹھا خاک سے تو ہے  
برسے کوئی یا لہکے وہی ذوقِ نمو ہے

تو شاخ میں تڑپا  
سو پردوں کو چیرا  
جب اپنے کو پہنچا

نم در رگِ ایام ز اشکِ سحرِ ما است  
این زیر و زبر چیست؟ فریبِ نظرِ ما است

انجم به برِ ما است  
لختِ جگرِ ما است  
نورِ بصرِ ما است

در پیرهنِ شاهدِ گل سوزنِ خار است  
خار است، ولیکن ز ندیمانِ نگار است

از عشق نزار است  
در پهلوی یار است  
این هم ز بهار است

نم در رگِ ایامِ مرا اشکِ سحر ہے  
یہ زیر و زبر کیا ، مرا افسونِ نظر ہے

بر میں مرے تارا  
ہے جان سے پیارا  
آنکھوں کا دلارا

پیراہنِ گلِ خار کی سوزن سے چھدا ہے  
ہے خار مگر پھول کے ہمراہ سدا ہے

ہے عشق سے نالاں  
پہلو میں ہے جاناں  
یہ بھی ہے بہاراں

بر خیز و دل از صحبتِ دیرینه به پرداز  
با لاله خورشیدِ جهان تاب نظر باز

با اهلِ نظر ساز  
چون من بفلک تاز  
داری سرِ پرواز؟

آٹھ صحبتِ دیرینہ سے اب دل کو اٹھا لے  
خورشیدِ جہانتاب کو آنکھوں میں بسا لے

بن تاروں کا دمساز  
افلاک کا ہمراز  
ہے ہمتِ پرواز؟

## حور و شاعر

(در جواب نظم گوئٹے موسوم بہ «حور و شاعر»)

### حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی  
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسم۔ آشنائی

ہمہ ساز۔ جستجوئے ہمہ سوز۔ آرزوئے  
نفسے کہ می گدازی غزلے کہ می سرائی

بنوائے آفریدی چہ جہان۔ دلکشائے  
کہ ارم پچشم آید چو طلسم۔ سیمیائی!

## حور و شاعر

(گوئٹے کی نظم بعنوان «حور و شاعر» کے جواب میں)

### حور

نہ تجھے پسند بادہ ، نہ مجھی پہ آنکھ اٹھائی  
یہ عجب کہ تو نہ جانے رہ و رسمِ آشنائی

ہمہ سازِ جستجو ہے ، ہمہ سوزِ آرزو ہے  
یہ تپش ترے نفس کی ، یہ تری غزلِ سرائی

تری دلکشا صدا نے وہ جہاں کیا ہے پیدا  
کہ بہشت اس کے آگے ہے طلسمِ سیمیائی



## شاعر

دلِ رھرواں فریبی بہ کلامِ نیشِ دارے  
مگرِ این کہ لذتِ اونرسد بہ نوکِ خارے

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقامِ درنسا زد  
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

چو نظرِ قرارِ گیرد بہ نگارِ خوبروے  
تپد آن زماں دلِ من پشے خوبترِ نگارے

ز شررِ ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے  
سرِ منزلیے ندارم کہ بمیرم از قرارے

چو ز بادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم  
غزلے دگر سرائم بہ ہوائے نوبہارے

## شاعر

یہ تری کٹیلی باتیں دلِ رھرواں لبھائیں  
مگر ان میں خار کی سی یہ چبھن کبھی نہ پائیں

مرا جی کسی جگہ پر نہ اگے تو کیا کروں میں  
دلِ نا صبور لے کر جوں صبا پھرا کروں میں

کوئی ایک روئے زیبا جو کبھی نظر کو بھائے  
چاہے ہے دل کہ اس سے خوشتر نظر میں آئے

ہو شرر تو تارا مانگوں وہ ملے تو مہر چاہوں  
نہ سکوں سے دل لگاؤں سدا اضطراب چاہوں

جو میں فصلِ گل کے خم سے کوئی جام پی کے آؤں  
کسی تازہ فصلِ گل کا کوئی تازہ گیت گاؤں

طلبم نہایتِ آن کہ نہایتے ندارد  
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ امیدوارے

دلِ عاشقانِ ہمیرد بہ بہشتِ جاودانے  
نہ نوائے درد مندے نہ غمے نہ غمگسارے!

وہ جو انت سے پرے ہے یہ اسی کا انت ڈھونڈیں  
دل پر امید میرا ، مری ناشکیب آنکھیں

دلِ عاشقان کو بھائے یہ بہشتِ جاوداں کیا  
کوئی غم ، نہ نالہ غم ، نہ کوئی شریک غم کا

## عشق

عقلی که جهان سوزد ، یک جلوهٔ بیباکش  
از عشق پیاموزد ، آئینِ جهانتابی

عشق است که در جانت هر کیفیت انگیزد  
از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی

این حرفِ نشاط آور ، می گویم و می رقصم  
از عشق دل آساید ، با این همه بیتابی

هر معنی پیچیده در حرف نمی گنجد  
یک لحظه به دل در شو ، شاید که تو دریابی

## عشق

جو عقل جلاتی ہے اک جلوے سے سب دنیا  
عشق اس کو سکھاتا ہے آئینِ جمہانتابی

ہر جذبہ ترے دل میں اس عشق کا صدقہ ہے  
از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی

یہ حرفِ نشاطِ آور میں وجد میں کہتا ہوں  
ہے عشق سے دل راضی کتنی بھی ہو بے تابی

ہر معنی پیچیدہ لفظوں میں کہاں آئے  
ہاں دل میں اسے ڈھونڈو شاید تمہیں مل جائے

## غلامی

آدم از بے بصری بندگیِ آدم کرد

گوهرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد

یعنی از خوئے غلامی ز سگان خوار تر است

من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سرختم کرد

## غلامی

بندگی کرتا ہے بندے کی یہ کم فہم بشر  
نذر کر دیتا ہے شاہوں کی جو رکھتا ہے گہر

یعنی ہے خوئے غلامی میں سگوں سے بدتر  
سگ کے آگے کوئی سگ آ کے جھکاتا نہیں سر



## جهانِ عمل

هست این میکند و دعوتِ عام است اینجا  
قسمتِ باده باندازهٔ جام است اینجا  
حرفِ آن راز که بیگانهٔ صوت است هنوز  
از لبِ جام چکید است و کلام است اینجا  
نشه از حال بگیرند و گذشتند ز قال  
نکتهٔ فلسفهٔ دردِ تهِ جام است اینجا  
ما درین ره نفسِ دهر برانداخته‌ایم  
آفتابِ سحرِ او لبِ بام است اینجا  
ای که تو پاسِ غلط کردهٔ خود می داری  
آنچه پیشِ تو سکون است خرام است اینجا  
ما که اندر طلب از خانه بروی تاخته‌ایم  
علم را جان بد میدیم و عمل ساخته‌ایم

## جرمانِ عمل

یہ خرابیات ہے اس بزم میں ہے دعوتِ عام  
مے پلاتے ہیں یہاں سب کو بانداڑہ جام  
حرفِ آس راز کا جو صوت سے بیگانہ ہے  
جام سے ٹپکا تو یہاں آ کے بنا حرفِ کلام  
قال سے گزرے نشہ حال سے رندوں نے لیا  
نکتہٴ فلسفہ اس جا پہ ہے دردِ تہِ جام  
نفسِ دھر کو اس رہ میں پچھاڑا ہم نے  
اس کی ہر صبح کا سورج ہے یہاں پر لبِ بام  
اے کہ ہے پاس تجھے اپنی غلط کاری کا  
تو سکوں سمجھا ہے جس کو وہ یہاں پر ہے خرام  
دل میں وہ ذوقِ طلب لے کے چلے ہیں ہم لوگ  
علم کو جانِ عمل دے کے چلے ہیں ہم لوگ

## غنی کشمیری

غنی آن سخنگوئے بابل صغیر  
نواسنج۔ کشمیر۔ مینونظیر

چو اندر سرا بود ، در بسته داشت  
چو رفت از سرا تخته را وا گذاشت

یکے گفتش اے شاعر۔ دل سے  
عجب دارد از کار۔ تو ہر کسے

پاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر  
فقیر و باقلیم۔ معنی امیر

ز من آنچه دیدند یاراں رواست  
دریں خانہ جز من متاعے کیجاست

## غنی کاشمیری

کہتے ہیں ملا غنی، وہ شاعرِ رنگیں نوا  
وہ لقب جس کو روا ہے بلبل۔ کشمیر کا

اس کا شیوہ تھا کہ جب وہ گھر کے اندر بیٹھتا  
سارے دروازوں کو وہ تالے لگا کر بیٹھتا

اور اگر باہر کبھی جاتا رہائش گاہ سے  
چھوڑ جاتا تھا وہ سارے گھر کے دروازے کھلے

ایک دن آ کر کسی نے پوچھا اے مردِ خدا  
کیوں زمانے سے الگ ہے یہ تری شانِ ادا

سن کے اس کی بات فوراً بولا وہ مردِ فقیر  
وہ کہ تھا روشن رواں، روشن نظر، روشن ضمیر

کتابخانه کلاسیک

غنی تا نشیند به کاشانه اش  
متاعی گرانست در خانه اش

چو آن محفل افروز در خانه نیست  
تهی تر ازین هیچ کاشانه نیست



جب تلک طاہر غنی بیٹھا ہوا اس گھر میں ہے  
یہ سمجھ لو اک متاعِ بے بہا اس گھر میں ہے  
وہ اگر گھر میں نہیں تو رونقِ خانہ نہیں  
اس جگہ سے پھر تہی تر کوئی کاشانہ نہیں



## طیارہ

سری شاخ گل طائرے یک سحر  
ہمی گفت با طائرانِ دگر

”نہ دادند بال آدمی زادہ را  
زمین گیر کردند این سادہ را“

بدو گفتم ”اے مرغِ بادسنج  
اگر حرفِ حق با تو گویم مرغِ

ز طیارہ ما بال و پر ساختیم  
سوے آسماں رہ گذر ساختیم

چہ طیارہ آن مرغِ گردوں سپر  
پر او ز بالِ ملک تیزتر

## طیارہ

ایک طائر چمن میں کسی شاخ پر  
دوسروں سے یہ کہتا تھا وقتِ سحر

بال و پر آدمی کا مقدر نہیں  
اس پچارے سے لپٹی ہے اس کی زمیں

میں نے سن کر کہا مرغِ پا در ہوا  
ایک سیچ بات مجھ سے بھی سن لے ذرا

میرا طیارہ ہے صاحبِ بال و پر  
یوں بنائی ہے افلاک میں رہ گذر

میرا طیارہ گردوں کا اسوار ہے  
یہ فرشتوں سے بھی تیز و طرار ہے



به پرواز شاهین به نیرو عقاب

بچشمش ز لاهور تا فاریاب

بگردون خروشنده و تندجوش

میان نشیمن چو ماهی خموش

خرد ز آب و گل جبرئیل آفرید

زمین را بگردون دلیل آفرید

چو آن مرغ زیرک کلام شنید

مرا یک نظر آشنایانه دید

پرش را بمنقار خارید و گفت

که من آنچه گوئی ندارم شگفت

اس میں شاہیں کی پرواز زورِ عقاب  
اس کی نظروں میں لاہور تا فاریاب

آسمانوں پہ دیکھو تو ہے پُر خروش  
اپنے گھر میں ہے ماہی کی صورت خموش

عقل سے ہے بنا یہ نیا جبرئیل  
آسماں کو ملی اک زمیں کی دلیل

مرغِ زیرک میری بات سنتا رہا  
آشنایانہ مجھ سمت دیکھا کیا

چونچ سے پر کوکھ جلا کے پھر یوں کہا  
اس پہ حیرت نہیں جو بھی میں نے سنا

مگر اے نگاہِ تو بر چون و چند

اسیرِ طلسمِ تو پست و بلند

”تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟“

کہ با آسماں نیز پرداختی؟“ (سعدیؒ)

پر یہ بتلائیں واقفِ چون و چند

تو کہ مسحور ہیں تیرے پست و بلند

دھر کا تو نے ہر کام سلجھا لیا؟

جو اب آسماں سے الجھنے لگا؟



## عشق

آن حرفِ دلِ فروز که راز است و راز نیست  
من فاش گوئمت که شنید؟ از کجا شنید؟

دزدید ز آسمان و به گل گفت شبنمش  
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید



## عشق

وہ رازِ خوش جو راز بھی ہے اور نہیں بھی ہے  
تجھ سے کہوں کہ کس نے سنا کس طرح سنا

شبِ نیم فلک سے لے اڑی اور گل سے جا کہا  
بلبل نے گل سے سن کے بہ موجِ صبا کہا



فانما عرفت من يتوكل على الله  
فانما عرفت من يتوكل على الله  
فانما عرفت من يتوكل على الله  
فانما عرفت من يتوكل على الله

## مثنى باقى

### غزليات

مثنى باقى  
غزليات  
مثنى باقى  
غزليات  
مثنى باقى  
غزليات  
مثنى باقى  
غزليات

حلقہ بستند سر۔ تربتِ من نوحہ گراں  
 دلبران ، زہرہ و شان ، گلبدنان ، سیمبران  
 در چمن قافلہٴ لالہ و گل رخت کشود  
 از کجا آمدہ اند این ہمہ خونیں جگراں ؟  
 اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق  
 نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں !  
 خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ  
 سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحبِ نظراں !  
 برکش آن نغمہ کہ سرمایہٴ آب و گلِ تست  
 اے ز خودرفتنہ تہی شو ز نوائے دگراں  
 کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم  
 آن متاعم کہ شود دستِ زدِ بے بصراں



آئے تربت پہ مری ، حلقہ کیسے نوحہ گراں  
 دلبراں ، زہرہ و شاں ، گلبدناں سیم براں  
 باغ میں قافلہ لالہ و گل آترا ہے  
 کون سے دیس سے آئے ہیں یہ خونیں جگراں ؟  
 مدرسے میں ہے تجھے ذوق و حقیقت کی تلاش  
 مے پلاتا ہے کسے طائفہ شیشہ گراں  
 عقل صیقل ہوئی از درسِ حکیمانِ فرنگ  
 سینہ روشن ہوا از صحبتِ صاحبِ نظران  
 لا کوئی نغمہ جسے تیری زمیں پہچانے  
 بے خبر چھوڑ بھی دے نقلِ نوائے دگراں  
 کس نے جانا ہے کہ میری بھی کوئی قیمت تھی  
 ہوں وہ دولت جسے گاہک ہی ملے بے بصراں

خیز و نقاب برکشا ، پردگیان ساز را  
نغمه تازه یاد ده ، مرغ نوا طراز را  
جاده ز خون رهروان تخته لاله در بهار  
ناز که راه می زند قافله نیاز را ؟

دیده خوابناک او گر به چمن کشوده  
رخصت یک نظر بده ، نرگس نیم باز را

«حرف نگفته شما ، بر لب کودکان رسید»  
ناز من بے زبان بگو ، خلوتیان راز را

آج تو بے نقاب کر پردگیانِ ساز کو  
نغمہ کوئی نیا سکھا مرغِ نوا طراز کو

راہ کو خونِ رھرواں تختہ گل بنا گیا  
لوٹا ہے کس کے ناز نے قافلہ نیاز کو

خواب سے اسکی آنکھ اگر صحنِ چمن میں کھل گئی  
فرصتِ یک نظر نہ دے نرگسِ نیم باز کو

آپ کی بات آن کہی سب کی زباں پہ آگئی  
میری طرف سے جا کہو خلوتیانِ راز کو

سجدہ تو برآورد ، از دلِ کافران خروش  
اے کہ درازتر کنی ، پیشِ کساں نماز را

گرچہ متاعِ عشق را ، عقل بہائے کم نہد  
من ندہم بہ تختِ جم ، آہِ جگر گداز را

سجدے کو تیرے دیکھ کر تڑپے ہے کافروں کا دل  
تو کہ ہجومِ خلاق میں طول دے یوں نماز کو

کم ہے نگاہِ عقل میں قدرِ متاعِ عاشقی  
دون نہ کبھی بہ تختِ جمِ آہِ جگر گداز کو

ہوائے فرودیں در گلستان میخانہ می سازد  
سبو از غنچہ می ریزد ، ز گل پیمانہ می سازد

محبت چون تمام افتد ، رقابت از میان خیزد  
بہ طوفِ شعلہ پروانہ با پروانہ می سازد

تنش از سایہ بالِ تدریے لرزہ می گیرد  
چو شاہیں زادہ اندر قفس با دانہ می سازد

بگو اقبال را اے باغبان رخت از چمن بندد  
کہ این جادونوا ما را ز گل بیگانہ می سازد

بہاروں کی ہوا سے گلستان میخانہ بنتا ہے  
کلی سے مے ٹپکتی ہے تو گل پیمانہ بنتا ہے

رقابت ختم ہو جاتی ہے تکمیلِ محبت پر  
طوافِ شمع میں ہمدم ہر اک پروانہ بنتا ہے

لرز جاتا ہے تن اس کا کسی طائر کے سائے سے  
قفس میں جب کوئی شاہیں گداے دانہ بنتا ہے

کہو اقبال سے اے باغباں ، جائے گلستان سے  
نوا پر آس کی ہر اک پھول سے بیگانہ بنتا ہے

از ما بگو سلامی آن ترکِ تندخو را  
کآتش زد از نگاہی یک شهرِ آرزو را

این نکته را شناسد آن دل که دردمند است  
من گرچه توبه گفتم نشکسته‌ام سب و را

ای بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم  
تو درکنار گیری باز این رمیده بو را

شادم که عاشقان را سوزِ دوام دادی  
درمان نیافریدی آزارِ جستجو را



میرا سلام کہہ دو اس ترکِ تندخو کو  
جس کی نظر نے پھونکا اک شہرِ آرزو کو

یہ نکتہ خوب جانے جو درد مند دل ہے  
گو میں نے کی ہے توبہ توڑا نہیں سب کو

بلبل ، تجھے سنایا اس نے وفا کا قصہ  
تو نے گلے لگایا پھر اسی رمیدہ بُو کو

خوش ہوں کہ عاشقوں کو سوزِ دوام بخشا  
یوں لادوا بنایا آزارِ جستجو کو

گفتی مجو وصالم بالاتر از خیالم  
عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را

از نالہ بر گلستانِ آشوبِ محشر آور  
تا دم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے و ہو را



میرا وصال مشکل میں وہم سے پرے ہوں  
یہ عذر پھر سجھایا اشکِ بہانہ جو کو

کر نالہ و فغاں سے گلشن میں حشر برپا  
جب تک کہ دم میں دم ہے مت چھوڑاؤ ہو کو



آشنا هر خار را از قصه ما ساختی  
در بیابان جنون بردی و رسوا ساختی

جرم ما از دانه تقصیر او از سجده  
نه با آن بیچاره می سازی نه با ما ساختی

صد جهان می روید از کشت خیال ما چو گل  
یک جهان و آن هم از خون تمنا ساختی

پرتو حسن تو می افتد برون مانند رنگ  
صورت مے پرده از دیوار مینا ساختی

طرح نو افکن که ما جدت پسند افتاده ایم  
این چه حیرت خانه امروز و فردا ساختی!

اس طرح قصہ مرا ہر خار پر وا کر دیا  
بھیج کر دشتِ جنوں میں مجھ کو رسوا کر دیا

ایک دانہ جرم میرا اس کی اک سجدہ خطا  
اس کو اپنایا نہ مجھ کو ، خوار اک سا کر دیا

سو جہاں میرے خیالوں نے کھلائے مثلِ گل  
تو نے اک تخلیق سے خونِ تمنا کر دیا

رنگ کی صورت جھلک چھلکی جو تیرے حسن کی  
مے کی صورت شیشہء مینا کا پردا کر دیا

مجھ کو جدت کی لگن ہے ڈال طرحِ نو کوئی  
کیوں مجھے سرگشتہء امروز و فردا کر دیا

حسرتِ جلوۀ آن ماهِ تمامے دارم  
دست بر سینہ نظر بر لبِ بامے دارم  
حسن می‌گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم  
عشق می‌گفت تب و تابِ دوامے دارم  
نہ بامروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بہ دوش  
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم  
بادۂ رازم و پیمانہ گسارے جویم  
در خراباتِ مغان گردشِ جامے دارم  
بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر  
مرغِ لاهوتم و از دوست پیامے دارم  
پردہ برگیرم و در پردہ سخن میگویم  
تیغِ خونریزم و خود را بہ نیامے دارم

آرزو ہے کہ نظر آئے مرا ماہِ تمام  
 ہاتھ سینے پہ ہے اور آنکھ لگی ہے لبِ بام  
 حسن کہتا تھا مری شب کی سحر ہو کہ نہ ہو  
 عشق کہتا تھا ملی مجھ کو تب و تابِ دوام  
 میں نہ امروز نہ دیروز نہ فردا میں اسیر  
 سنگِ رہ ہے مرے رستے میں نہ منزل نہ مقام  
 بادۂ راز ہوں میں ، مجھ کو ہے مے کش کی تلاش  
 سرِ میخانہ لیے پھرتا ہوں میں گردشِ جام  
 آن سنی کر کے نہ جا سن مری شوریدہ نوا  
 مرغِ لاهوت ہوں میں یار سے لایا ہوں پیام  
 پردہ بردار بھی ہے میرا سُخنِ درپردہ  
 تیغِ خونریز کی صورت ہوں مگر زیرِ نیام

بشاخِ زندگیِ ما نمی ز تشنه‌ی است  
تلاشِ چشمهٔ حیوانِ دلیلِ کم‌طلبی است

حدیثِ دل بکه گویم ، چه راه برگیرم  
که آه بے اثر است و نگاه بے ادبی است

غزل بزمزمه خِواں پرده پست‌تر گرداں  
هنوز نالهٔ مرغانِ نوائے زیرِ لبی است

متاعِ قافلۂ ما حجازیاں بردند  
ولے زبانِ نکشائی که یارِ ما عربی است



ہے شاخِ زیست میں میری نمی ز تشنہ لہی  
تلاشِ چشمہٴ حیوان ، دلیلِ کم طلبی

حدیثِ دل کا بیاں کس طرح ہو ، کس سے ہو  
کہ لے اثر ہے دعا اور نگاہ بے ادبی

غزل کا زمزمہ ہلکے سروں میں رہنے دو  
ہنوز نالہٴ مرغیاں ہے صوتِ زیر لہی

متاعِ قافلہ گرچہ حجازیوں میں لٹی  
مگر زبان نہ کھولو کہ یار ہے عربی

نهالِ ترک ز برقِ فرنگ بار آورد  
ظهورِ مصطفوی را بهانه بولهبی است

بیا که من ز خمِ پیرِ روم آوردم  
مئے سخن که جوا تر ز باده عنبی است

نہالِ ترک کو راس آگئی ہے برقِ فرنگ  
ہے نورِ مصطفوی کو بہانہ بولہبی

کشید کی ہے خمِ پیرِ روم سے میں نے  
مٹے سخن کہ ہے بہتر ز بادۂ عنبی

فرقی نه نهده عاشق در کعبه و بتخانه  
این جلوتِ جانانه ، آن خلوتِ جانانه

از بزمِ جهان خوشتر از حور و جنان خوشتر  
یک همدمِ فرزانه وز باده دو پیمانہ

هر کس نگهے دارد ، هر کس سخنے دارد  
در بزمِ تو می خیزد افسانه ز افسانه

این کیست که بر دلها آورده شبیخونے؟  
صد شهرِ تمنا را یغما زده 'ترکانه!

عاشق کے لیے یکساں کعبہ ہو کہ بت خانہ  
یہ جلوتِ جانانہ ، وہ خلوتِ جانانہ

بہتر ہے زمانے سے فردوس سے خوش تر ہے  
اک ساغرِ مے ساقی اک ہمدم۔ فرزانه

ہر اک کی نگہ تجھ پر ہر اک کو سخنِ تجھ سے  
پیدا تری محفل میں افسانے سے افسانہ

یہ کون سے قاتل نے خوں گشتہ کیا دل کو  
اک شہر۔ تمنا کو غارت کیا ترکانہ

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے

یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال بہ منبر زد رازے کہ نہ باید گفت

ناپختہ بروں آمد از خلوتِ میخانہ

جبریل تو ادنیٰ سا ہے صیدِ جنوں میرا  
یزداں تہ، دام آئے اے ہمتِ مردانہ

اقبال نے منبر پر ہر رازِ نہاں کھولا  
ناپختہ ہی اٹھ آیا از خلوتِ میخانہ



این گنبدِ مینائی ، این پستی و بالائی  
در شد بدلِ عاشق ، با این همه پنهائی

اسرارِ ازلِ جوئی ؟ بر خود نظری واکن  
یکتائی و بسیاری ، پنهانی و پیدائی

اے جانِ گرفتارم دیدی که محبت چیست؟  
در سینه نیاسائی از دیده بروں آئی

برخیز که فروردین افروخت چراغِ گل  
برخیز و دمے بنشین با لالهٔ صحرائی



یہ گنبدِ مینائی ، یہ پستی و بالائی  
سمٹی دلِ عاشق میں ہر ایک کی پہنائی

کیوں رازِ ازل ڈھونڈیں ، یکجا ہیں تری جاں میں  
یکتائی و بسیاری ، پنہانی و پیدائی

اے جانِ حزیں تم نے دیکھا ہے محبت کو  
دل میں نہ سما پائی ، آنکھوں سے چھلک آئی

آؤ کہ بہاروں میں ہیں گل کے دئے روشن  
اک پل کبھی چل بیٹھیں با لالہ صحرائی

عشق است و هزار افسوں، حسن است و هزار آئین  
نے من بہ شمار آیم، نے تو بہ شمار آئی

صدرہ بفلک برشد، صدرہ بہ زمین درشد  
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی

عشق اور ہزار افسوں ، حسن اور ہزار آئیں  
میری ہی پذیرائی نے تیری پذیرائی

بالائے فلک اکثر اور زیرِ زمیں اکثر  
خاقانی و فغفوری ، جمشیدی و دارائی

هوسِ منزلِ لیلی نه تو داری و نه من  
جگرِ گرمیِ صحرا نه تو داری و نه من

من جوانِ ساقی و تو پیرِ کهن می‌کده  
بزمِ ما تشنه و صهبا نه تو داری و نه من

خزفے بود که از ساحلِ دریا چیدیم  
دانهٔ گوهرِ یکتا نه تو داری و نه من

دگر از یوسفِ گم گشته سخن نتوان گفت  
تپشِ خونِ زلیخا نه تو داری و نه من

به که با نورِ چراغِ ته دامن سازیم  
طاقتِ جلوۂ سینا نه تو داری و نه من

ہوس۔ منزلِ لیلائی نہ تجھے ہے نہ مجھے  
تابِ سرگرمی۔ صحرا نہ تجھے ہے نہ مجھے

میں جواں ساقی ہوں تو پیرِ مغاں دیرینہ  
تشنہ لب سیر ہوں یارا ، نہ تجھے ہے نہ مجھے

میں بھی ساحل سے خزف چمتا رہا ہوں تو بھی  
حاصل اک گوہر۔ یکتانہ تجھے ہے نہ مجھے

چھوڑے یوسف۔ گم گشتہ کی کیا بات کریں  
خلش۔ خونِ زلیخا نہ تجھے ہے نہ مجھے

یہ چراغ۔ تہِ داماں ہی بہت ہے ہم کو  
طاقتِ جلوۂ سینا نہ تجھے ہے نہ مجھے

دلیلِ منزلِ شوقم بدامنم آویز  
شرر ز آتشِ ناہم بخاکِ خویش آمیز

عروسِ لاله برون آمد از سراچہٴ ناز  
بیا کہ جانِ تو سوزم ز حرفِ شوق انگیز

بہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند  
حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز

اگرچہ زادہٴ ہندم فروغِ چشمِ من است  
ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز!

دلیل۔ شوق سے کر میرا پیرھن لبریز  
مری شراب سے کر اپنی خاک سوز آمیز

حریم۔ ناز سے لیلاے گل نکل آئی  
قریب آ تجھے تڑپائے حرف۔ شوق انگیز

ہر اک زمانے میں اسلوبِ نو سے کہتے ہیں  
حکایتِ غم۔ فرہاد و عشرتِ پرویز

میں ہند زاد ہوں لیکن ہے میری آنکھ میں نور  
ز خاکِ پاک۔ بخارا و کابل و تبریز

در جهانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست  
انقلابیست و لے شام و سحر پیدا نیست

و اے آن قافلہ کز دونی ہمت میخواست  
رہگذارے کہ درو پیچ خطر پیدا نیست

بگذر از عقل و در آویز ب موجِ یمِ عشق  
کہ در آن جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست  
ہست در دیدہ و مانندِ نظر پیدا نیست



عالمِ دل ہے یہاں دورِ قمر پیدا نہیں  
انقلاب آتے ہیں پر شام و سحر پیدا نہیں

حیف ایسے قافلے والوں پہ جو کم حوصلہ  
راہ وہ ڈھونڈیں جہاں کوئی خطر پیدا نہیں

چھوڑ کر عقل آ لپٹ جا موجِ بحرِ عشق سے  
یہ ذرا سی آجیو ہے یاں گہر پیدا نہیں

میرے تیرے فکر کی کاوش کا جو مقصود ہے  
آنکھ میں ہے اور مانندِ نظر پیدا نہیں

سوزِ سخن ز نالهٔ مستانهٔ دل است  
این شمع را فروغ ز پروانهٔ دل است

مشتِ گایم و ذوقِ فغانی نداشتیم  
غوغای ما ز گردشِ پیمانۂ دل است

این تیره خاکدان کہ جہاں نام کردہ  
فرسودہ پیکرے ز صنم خانۂ دل است

اندر رصد نشسته حکیمِ ستارہ بین  
در جستجوی سرحدِ ویرانۂ دل است

لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او  
صوفی ہلاکِ شیوۂ ترکانۂ دل است

ہے سوزِ سخنِ نالہٴ مستانہٴ دل سے

اس شمع کو ضوِ ملتی ہے پروانہٴ دل سے

یہ فقر سے ہے اور نہ یہ ذوقِ فغان سے

ہے میری نوا گردشِ پیمانہٴ دل سے

یہ عالمِ خاکی کہ جہاں کہتے ہیں جس کو

ہے پیکرِ فرسودہ صنمِ خانہٴ دل سے

اس تاک میں بیٹھا ہے رصد گہ میں منجم

واقف ہو کبھی سرحدِ ویرانہٴ دل سے

لاہوت پہ ڈالی ہے کمند اس کی نگہ نے

صوفی ہے فنا شیوہٴ ترکانہٴ دل سے

محمودِ غزنوی کہ صنم خانہ ہا شکست  
زُناری۔ بتانِ صنم خانہٗ دل است

غافل ترے ز مردِ مسلمان ندیدہ ام  
دل درمیانِ سینہ و بیگانہٗ دل است !

مسمار کیے بتکدے محمود نے لیکن  
کافر ہی رہا سحر۔ صنم خانہ دل سے  
غافل کوئی دنیا میں مسلمان سا نہیں ہے  
سینے میں ہے دل اور وہ بیگانہ ہے دل سے



نه تو اندر حرم گنجی نه در بتخانه می آئی  
ولیکن سوئے مشتاقان چه مشتاقانه می آئی

قدم بیباک تر نه در حریم جانِ مشتاقان  
تو صاحب خانه، آخر چرا دزدانه می آئی

بغارت می بری سرمایهٔ تسبیح خوانان را  
بشبخونِ دلِ زُناریان تُرکانه می آئی

گهری صد لشکرانگیزی که خونِ دوستانِ ریزی  
گهری در انجمن با شیشه و پیمانہ می آئی

تو بر نخلِ کلیمے بے محابا شعله می ریزی  
تو بر شمعِ یتیمے صورتِ پروانه می آئی

بیا اقبالِ جامے از خمستانِ خودی در کش  
تو از میخانهٔ مغرب ز خود بیگانه می آئی

نہ بستے ہو حرم میں نے سُوے بت خانہ آتے ہو  
 پہ مشتاقوں کی جانب کیسے مشتاقانہ آتے ہو  
 قدم بیباک رکھو عاشقوں کے حجرہ جاں میں  
 تمہارا ہی تو گھر ہے کس لیے دزدانہ آتے ہو  
 کبھی غارت کرو سرمایہ سب تسبیح خوانوں کا  
 کبھی زناریوں میں صورتِ ترکانہ آتے ہو  
 کبھی لشکر لیے آتے ہو خونِ دوستان کرنے  
 کبھی محفل میں لے کر شیشہ و پیمانہ آتے ہو  
 نہالِ طور پر تو بے دھڑک بجلی گراتے ہو  
 سُوے شمعِ یتیمان صورتِ پروانہ آتے ہو  
 خودی کے خم سے اے اقبال آؤ ایک قدح بھر لو  
 کہ تم میخانہ مغرب سے خود بیگانہ آتے ہو

مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں

از دل و دیدہ فرو شوے خیالِ دگراں

آتش از نالہٴ مرغانِ حرم گیر و بسوز

آشیانے کہ نہادی بہ نہالِ دگراں

در جہاں بال و پرِ خویش کشودن آموز

کہ پریدن نتوان با پر و بالِ دگراں

اے کہ نزدیکتر از جانی و پنہاں ز نگہ

ہجرِ تو خوشترم آید ز وصالِ دگراں !



مثلِ آئینہ نہ ہو محوِ جمالِ دگران

اب دل و دیدہ سے دھو ڈال خیالِ دگران

پھونک دو نالہٴ مرغانِ حرم کی لو سے

آشیانہ جو بنا ہے بہ نہالِ دگران

اپنے پر کھول کے اس دھڑ میں پرواز کرو

کیسے اڑ سکتے ہو لے کر پر و بالِ دگران

تو کہ ہے جاں سے قریب اور نظر سے پنہاں

تیری فرقت مجھے خوشتر ز وصالِ دگران

جهانِ عشقِ نہ میری نہ سروری داند  
ہمیں بس است کہ آئینِ چاکری داند

نہ ہر کہ طوفِ بُتے کرد و بست زُنارے  
صنم پرستی و آدابِ کافری داند

ہزار خیر و صد گونہ اژدر است اینجا  
نہ ہر کہ نانِ جوین خورد حیدری داند

بچشمِ اہلِ نظر از سکندر افزون است  
گداگرے کہ مالِ سکندری داند

بعشوه ہائے جوانانِ ماہِ سیما چہست  
در آجلقہٴ پیرے کہ دلبری داند

جہاںِ عشق نہ میری نہ سروری جانے  
یہی بہت ہے کہ آئینِ چاکری جانے

نہ ہر کہ باندھ کے زنار بت کو سجدہ کرے  
صنم پرستی و آدابِ کافری جانے

یہاں پہ سینکڑوں اژدر ، ہزار خیبر ہیں  
نہ ہر کہ نانِ جویں کھائے حیدری جانے

نگاہِ اہلِ نظر میں فزوں سکندر سے  
وہ اک گدا جو مالِ سکندری جانے

جواں حسینوں کے غمزوں میں بات ہی کیا ہے  
کسی بزرگ کے پاس آ جو دلبری جانے

فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت  
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!

چہ گوئمت ز مسلمانِ نامسلمانے  
جز این کہ پورِ خلیل<sup>۴</sup> است و آذری داند

میں کیا بتاؤں مسلمانِ نا مسلمان کی  
کہ یہ خلیل کا فرزند آذری جانے

کبھی تو مجلسِ اقبال میں بھی آ کر پی  
اگرچہ سر نہ تراشے قلندری جانے

خاکیم و تندسیر مثال ستاره ایم  
در نیلگون می بتلاش کناره ایم

بود و نبود ما ست ز یک شعله حیات  
از لذت خودی چو شرر پاره پاره ایم

با نوریان بگو که ز عقل بلند دست  
ما خاکیان بدوش ثریا سواره ایم

در عشق غنچه ایم که لرزد ز باد صبح  
در کار زندگی صفت سنگ خاره ایم

چشم آفریده ایم چو نرگس درین چمن  
رو بند برکشا که سراپا نظاره ایم

ہم خاک ہیں پہ تیز مثالِ ستارہ ہیں  
بحرِ فلک میں ہم بہ تلاشِ کنارہ ہیں

ایک شعلہٴ حیات سے ہے اپنی ہست و مرگ  
جوشِ خودی سے مثلِ شرر پارہ پارہ ہیں

کہہ دو یہ نوریوں سے کہ عقلِ رسا سے ہم  
خاکی سہمی مگر بہ ثریا سوارہ ہیں

ہیں عشق میں صبا سے بھی لرزاں مثالِ گل  
اور زندگی میں ہم صفتِ سنگِ خارہ ہیں

زرگس کی طرح چشمِ برہ ہیں چمن میں ہم  
رُخ سے نقاب اٹھا کہ سراپا نظارہ ہیں

عرب از سرشکِ خونم همه لاله زار بادا  
عجمِ رمیده بو را نفسم بہار بادا

تپش است زندگانی ، تپش است جاودانی  
ہمہ ذرہ ہائے خاکم دلِ بیقرار بادا

نہ بہ جادۂ قرارش ، نہ بہ منزلی مقامش  
دلِ من مسافرِ من کہ خداهش یار بادا

حذر از خرد کہ بندد ہمہ نقشِ نامرادی  
دلِ ما برد بسازے کہ گسستہ تار بادا

تو جوانِ خام سوزے ، سخنم تمام سوزے  
غزلے کہ می سرایم بتو سازگار بادا



میرے سرشکِ خوں سے عرب لالہ زار ہو  
دم سے مرے عجم کا چمن پر بہار ہو  
ہے زندگی تپش سے ، تپش عیشِ جاوداں  
ہر ذرہ میرے تن کا دلِ بیقرار ہو

اک راہ پر قرار نہ منزل اسے پسند  
یا رب تو ہی مرے دلِ وحشی کا یار ہو  
کم آشنا ہے سوز سے تو ، میں تمام سوز  
اے کاش میرا نغمہ تجھے سازگار ہو

اک پل سکوں ملے نہ تری جانِ زار کو  
تاب و تبِ حیات تری رازدار ہو

نظرِ تو همه تقصیر و خرد کوتاهی  
نرسی جز به تقاضای کلیم اللہی  
راہ کور است بخود غوطہ زن اے سالکِ راہ  
جادہ را گم نکند در تہ دریا ماہی  
حاجتے پیشِ سلاطین نبردِ مردِ غیور  
چہ توان کرد کہ از کوه نیاید کاہی  
مگذر از نغمہ شوقم کہ بیابی در وے  
رمزِ درویشی و سرمایہ شاپنشاہی  
نفسم با تو کند آنچه بہ گل کرد نسیم  
اگر از لذتِ آہِ سحری آگاہی  
اے فلک چشمِ تو بیباک و بلاجوست ہنوز  
می شناسم کہ تماشای دگر می خواہی

پُر خطا تیری نظر اور خرد کو تاہی  
 وصل کی شرط ، تقاضاے کلیم اللہی  
 خود میں کھوجا کہ ہے سالک کا رہ راست یہی  
 راستہ گم نہیں کرتی تہ دریا ماہی  
 بادشاہوں سے نہ کچھ مانگے کبھی مردِ غیور  
 کون کرتا ہے سرِ کوہ ، تلاشِ کاہی  
 نغمہء شوق مرا سن کہ تجھے مل جائے  
 رمزِ درویشی و سرمایہء شاہنشاہی  
 جو صبا گل کے لیے ہے یہ سخن تیرے لیے  
 لذتِ آہِ سحر سے ہو اگر آگاہی  
 اب بھی بے باک و بلا جو ہے تری آنکھ فلک  
 'می شناسم کہ تماشائے دگر می خواہی'

سرخوش از باده تو خم شکنی نیست که نیست  
مستِ لعلینِ تو شیرین سخن نیست که نیست

در قباے عربی خوشترک آئی به نگاه  
راست بر قامتِ تو پیرهنی نیست که نیست

گرچه لعلِ تو خموش است ولی چشمِ ترا  
با دلِ خون شده ما سخن نیست که نیست

تا حدیثِ تو کنم بزمِ سخن می سازم  
ورنه در خلوتِ من انجمنی نیست که نیست

تیری مے سے وجد میں ہر خم شکن ہے یا نہیں  
مست لعل لب سے ہر شیریں سخن ہے یا نہیں

کچھ زیادہ ہی بھلی لگتی ہے یہ عربی قبا  
ورنہ تجھ پر زیب تن ہر پیرہن ہے یا نہیں

گرچہ لب خاموش ہیں پر تیری چشمِ ناز کو  
خوں شدہ دل سے مرے ، حرف و سخن ہے یا نہیں

بزم برپا کی کہ تیرا ذکر سب سے کر سکوں  
ورنہ خلوت بھی مری اک انجمن ہے یا نہیں

اگرچه زیبِ سرشِ افسر و کلاہے نیست  
گدائے کوئے تو کمتر ز پادشاہے نیست

واب رفتہ جوانان و مُردہ دل پیران  
نصیبِ سینہ کس آہِ صبحگاہے نیست  
یہ بہانہ بدشتِ طلب ز پا منشیں  
کہ در زمانہ ما آشناے راہے نیست  
ز وقتِ خویش چہ غافل نشستہ در یاب  
زمانہ کہ حسابش ز سال و ماہے نیست

دریں رباطِ کہن چشمِ عافیت داری؟  
ترا بکشمکشِ زندگی نگاہے نیست

اگرچہ اس کو نصیبِ افسر و کلاہ نہیں  
تری گلی کا گدا کم ز پادشاہ نہیں

جواں ہیں نیند کے ماتے ، بزرگ مردہ دل  
کسی کے سینے میں اک آہِ صبحگاہ نہیں

تو اس بہانے پہ دشتِ طلب میں بیٹھ نہ جا  
کہ ان دنوں میں کوئی آشناے راہ نہیں

تو اپنے وقت سے غافل نہ رہ کہ تجھ کو ملے  
وہ اک زمانہ جو محتاجِ ماہ و سال نہیں

سراے دھر میں ہے تجھ کو عافیت کی طلب  
کہ تیری کشمکشِ زیست پر نگاہ نہیں

گناهِ ما چه نویسند کاتبانِ عمل  
نصیبِ ما ز جهانِ تو جز نگاہِ نیست

یا که دامنِ اقبالِ را بدست آرم  
که او ز خرقه فر و شانِ خانقاہِ نیست



مرے گناہوں میں کیا لکھیں کاتبانِ عمل  
جہاں میں اپنی کمائی 'جز از نگاہ نہیں

چلو کہ دامنِ اقبال پی کو چل تھامیں  
کہ وہ ز خرقہ فر و شانِ خانقاہ نہیں



## پٹوفی

نفسے دریں گاستان ز عروسِ گل سرودی  
بدائے غمے فزودی ز دلے غمے ربودی

تو بخونِ خویش بستی کفِ لاله را نگارے  
تو باہِ صبحگاہے دلِ غنچہ را کشودی

بنوائے خود گم استی سخنِ تو مرقدِ تو  
بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی !

## پٹوفی

یوں چمن میں 'حسینِ گل' کا کوئی گیت 'تو نے' گایا  
کسی دل کو درد بخشا، کسی دل سے غم 'بھلایا'

کیا تو نے خونِ دل سے کفِ لالہ کو حنائی  
تری آہِ صبحدم سے دلِ غنچہ لہلہایا

تو سخن میں اپنے گم ہے، ہے یہی مزار تیرا  
زہ سما سکا زمیں میں کہ تو خاک سے نہیں تھا

## خراباتِ فرنگ

دوش رقم به تماشای خراباتِ فرنگ  
شوخ گفتاری رندے دلم از دست ربود

گفت این نیست کلیسا کہ بیابی دروے  
صحبتِ دخترکِ زهره‌وش و نای و سرود

این خراباتِ فرنگ است و ز تاثیرِ میثس  
آنچه مذموم شمارند نماید محمود

نیک و بد را بترازوے دگر سنجیدیم  
چشمهٔ داشت ترازوے نصاریٰ و یہود

خوب، زشت است اگر پنجهٔ گیرات شکست  
زشت، خوب است اگر تاب و توانِ تو فزود

## خراباتِ فرنگ

کل گیا میں بہ تماشائے خراباتِ فرنگ  
میرا دلِ لے گئی اک رند کی آوازِ سرود

یہ کلیسا تو نہیں ہے کہ جہاں تجھ کو ملے  
دُخترِ زہرہ و ش و زمزمہٴ ارغن و عود

اس خرابات کی مے رکھتی ہے ایسی تاثیر  
جو بھی مذموم ہے اس جا نظر آئے محمود

نیک و بد اور ترازو سے یہاں تولتے ہیں  
بس کہ کھوٹا ہے ترازوے نصاریٰ و یہود

خوب بھی زشت ہے گر اس کا نتیجہ ہو شکست  
زشت بھی خوب ہے گر اس سے تو اے پائے وجود

تو اگر در نگری جز به ریا نیست حیات  
هر که اندر گرو صدق و صفا بود نبود

دعوت صدق و صفا پرده ناموس ریاست  
پیر ما گفت مس از سیم بیاید اندود

فاش گفتم بتو اسرار نهانخانه زیست  
بکسے باز مگو تا که بیانی مقصود

تو جو سمجھے تو ریا سے ہے عبارت ہستی  
اور رہِ صدق و صفا رہگزرِ مرگ و نبود

دعویٰ صدق و صفا پردہ ناموس و ریا  
قول 'مرشد کا ہے' 'میس سیم سے کر لو اندود'

میں نے تو صاف بتایا تجھے رازِ ہستی  
'تو کسی سے بھی نہ کہہ، چاہے اگر تو مقصود'

## خطاب بہ انگلستان

مشرقی بادہ چشید است ز میناے فرنگ  
عجبے نیست اگر توبہ دیرینہ شکست

فکر نوزادہ او شیوہ تدبیر آموخت  
جوش زد خوں بہ رگ بندہ تقدیر پرست

ساقیا تنگ دل از شورش مستان نشوی  
خود تو انصاف بدہ این ہمہ ہنگامہ کہ بست

”بوی گل خود بہ چمن راہ نما شد ز نخست  
ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست“



## خطاب بہ انگلستان

کیا عجب ٹوٹ گئی اس کی پرانی توبہ  
مشرقی نے جو چکھی ساغرِ افرنگ سے مے

جوش میں آئی رگِ بندۂ تقدیر پرست  
فیکر نے جب یہ سجھایا کہ ہے تدبیر بھی شے

ساقیا شورشِ رنداں سے بگڑنا کیسا  
تو ہی بتلا کہ یہ ہنگامہ ہوا ہے کیسے

گل کی خوشبو ہی نے تو خود راہِ چمن دکھلائی  
ورنہ بلبَل کو خبر کب تھی کہ گزار بھی ہے

## نوائے مزدور

ز مُزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش  
نصیبِ خواجہٴ نا کردہ کارِ رختِ حریر

ز خوئے فشانِی من لعلِ خاتمِ والی  
ز اشکِ کودکِ من گوهرِ ستامِ امیر

ز خونِ من چو زلو فرہی کلیسا را  
بزورِ بازوئے من دستِ سلطنت ہمہ گیر

خرابہ رشکِ گلستانِ ز گریہٴ سحرم  
شبابِ لالہ و گل از طراوتِ جگرم

## نوائے مزدور

غریب نے سرو سامان کی کمائی سے  
ملی ہے خواجہ نے کار کو قبائے حریر

مرا پسینہ بنا لعلِ خاتمِ والی  
جڑے ہیں اشک مرے طفل کے بہ تاجِ امیر

کلیسا خوں سے مرے جونک کی طرح فر بہ  
مرے ہی بل پہ بنا دستِ سلطنت ہمہ گیر

خرابہ رشکِ چمن گریہ سحر سے مرے  
شبابِ لالہ و گل کاوشِ جگڑ سے مرے

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگ ساز  
مشمے کہ شیشه گدازد به ساغر اندازیم

مغان و دیر مغان را نظام تازہ ادبیم  
بنائے میکده های کهن بر اندازیم

ز رهنان چمن انتقام لاله کشیم  
به بزم غنچه و گل طرح دیگر اندازیم

بطوف شمع چو پروانه زیستن تاکے  
ز خویش این همه بیگانه زیستن تاکے

سنو کہ تازہ نوا آرہی ہے از رگِ ساز  
پیو کہ آتشِ مے سے گداز جام کریں

نئے نظام پہ ڈالیں بناے میخانہ  
جو میکدے ہیں پرانے انہیں تمام کریں

گلوں کا رھزنِ گلشن سے خونبہا مانگیں  
بساطِ گل کا نئی طرح اہتمام کریں

طوافِ شمع کہاں تک مثالِ پروانہ  
جئیں گے ایسے کہاں تک خودی سے بیگانہ

